جلد 1, شمارہ 1 شعبان - 1446 فروری 2025

MUSLIM
MATURIDIAN
ORGANIZATION

بصیرتِ اسلام

ماہ نامہ

الحاد کا تعارف اور جدید الحادی فرقے

ترویجِ الحاد کے اسباب

دورِ حاضر میں الحاد کا تدارک

بائبل اور ابطالِ الوہیتِ یسوع

سیکولرزم: ایک مفصل تعارف

ہندو دھرم: ایک جائزہ

پیش کش : مسلم ماتریدین آرگنائزیشن

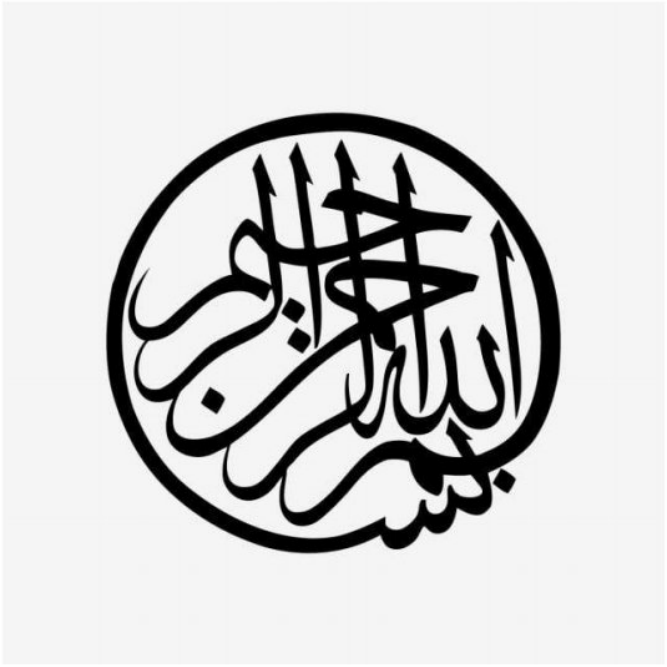
بسم اللہ الرحمن الرحیم

ردِالحاد، ردلادینیت، ردادیانِ باطلہ اور دورِ حاضر میں اسلامی نظامِ حیات کی افادیت کے حوالے سے علمی و تحقیقی مقالات سے مزین ماہنامہ

ماہنامہ بصیرتِ اسلام

INSIGHT OF ISLAM

جلد-۱/ شمارہ-1/شعبان۱۴۴۶ھ بہ مطابق فروری۲۰۲۵

مدیر

محمد انور الماتریدی

پیش کش

مسلم ماتریدی آرگنائزیشن

بہ فیضانِ نظر

امام الہدیٰ امام ابو منصور الماتریدی

[پ، ۸۵۲ عیسوی م، ۹۴۴ عیسوی]

جملہ حقوق بہ حق مُدیر محفوظ ہیں

ماہنامہ بصیرتِ اسلام

جلد، شمارہ ۱، ۱

مدیر محمد انور الماتریدی

نائب مدیر محمد یاسر مشتاق

صفحات ۶۷

سالِ اشاعت شعبان ۱۴۴۶، فروری ۲۰۲۵

سرورق حمزہ عابر

نوعیتِ اشاعت برقی اشاعت DIGITAL PUBLICATION

ناشر مسلم ماتریدین آرگنائزیشن، لاہور

مجلسِ مشاورت

۞ محمد یاسر مشتاق ۞ شہروز احمد نظامی

۞ محمد اسامہ بن صالح ۞ محمد عثمان علی کاشمیری

۞ حمزہ عابر ۞ محمد عمر اقبال

فہرست

اداریہ: مسلم ماتریدین آرگنائزیشن		7
الحاد اور قدیم الحادی فرقے	شیخ الحدیث پیر غلام رسول قاسمی حفظہ اللہ تعالی	10
الحاد کا تعارف اور جدید الحادی فرقے	محمد انور الماتریدی	16
ترویجِ الحاد کے اسباب (قسط اول)	فیصل ریاض شاہد	26
دورِ حاضر میں الحاد کا تدارک: علمی و عملی تقاضا	محمد اسامہ مصطفائی	31
بائبل اور ابطالِ الوہیتِ یسوع	محمد ذوالقرنین البریلوی	34
تعارفِ کتب: جدیدیت	محمد یاسر مشتاق	39
ہندو دھرم: ایک جائزہ	محمد عثمان علی کاشمیری	47
مغربی فکر پر اسلامی فلسفے کا اثر	خواجہ محمد حسنین اویسی	54
سیکولرازم: ایک مفصل تعارف (قسط اول)	علامہ محمد انس بندیالوی	57
لبرل ازم: ایک جائزہ (قسط اول)	عائشہ کشف یاسین	61
کتاب خانۂ مانچسٹر یونیورسٹی میں فارسی مخطوطات	محمد اسامہ بن صالح	65

اداریہ

مسلم ماتریدین آرگنائزیشن [MMO] کا تعارف

مسلم ماتریدین آرگنائزیشن ایک علمی اسلامی تنظیم ہے جس میں ملک بھر سے ایسے اہل علم و محبِ دانش احباب شامل ہو رہے ہیں جو نظریاتی محاذ پر دین اسلام کی اساسی اعتقادات کا دفاع کرنے اور جدید ترین فتنوں سے علمی جہاد کرنے کا عزم رکھتے ہیں،

مسلم ماتریدین آرگنائزیشن کی اہمیت وضرورت

جیسے کہ ہم سب اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ عصرِ حاضر میں اسلام مخالف تنظیمیں ہمارے مسلم نوجوانوں کو نشانہ بنا رہی ہیں اور طرح طرح کے حیلے بہانے سے ان کو الحاد، تشکیک، مذہب بیزاری، لادینیت کی طرف لے جا رہی ہیں اس لیے ایک ایسی اسلامی تنظیم کی اہمیت وضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے

جو اسلامی بصیرت کی حقانیت کو پیش کرتے ہوئے اسلام مخالف تنظیموں کے بیانیے اور پراپگنڈہ کو ناکام بنائے بلکہ اسی کے ساتھ ساتھ مسلم نوجوانوں کو اسلامی تعلیمات کی آگاہی فراہم کرتے ہوئے ان میں ایسی تحریک پیدا کرے کہ وہ اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے اپنا کردار ادا کر سکیں

چنانچہ اسی مقصد کے پیشِ نظر مسلم ماتریدین آرگنائزیشن کا قیام عمل میں لایا گیا تاکہ لادینی تنظیموں کے پراپیگنڈہ و بیانیے کا علمی و عملی رد کرتے ہوئے اور نوجوانوں کو الحاد، تشکیک، مذہب بیزاری و لادینیت سے محفوظ رکھتے ہوئے اسلامی نظریات کی حقانیت کو علمی لٹریچر کی صورت میں پیش کیا جائے

مسلم ماتریدین آرگنائزیشن کے اہداف و مقاصد

مسلم ماتریدین آرگنائزیشن کے اہداف و مقاصد کو بصورت نکات ملاحظہ کیجیے

- مقصدِ اول: نوجوانانِ اسلام کو دینِ اسلام کی اساسی نظریات کے بارے میں مفصل و مدلل طور پر شعور و آگاہی فراہم کرنا اور دین اسلام کے جامع نظام حیات کی آفاقی حیثیت کو مابعد جدیدیت عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق واضح کرنا
- مقصدِ دوم: نوجوانانِ اسلام کو مسلم نشاۃ ثانیہ کے لیے لائحہ عمل فراہم کرنا، ایسے ضوابط ترتیب دینا اور ایسی تحریک پیدا کرنا جس سے نوجوانانِ اسلام اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں،
- مقصدِ سوم: نوجوانانِ اسلام کے اندر مثبت تعمیری و تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا تاکہ علمی و عملی محاذ میں دین اسلام کا دفاع کرتے ہوئے باطل قوتوں کا رد کر سکیں
- مقصدِ چہارم: نوجوانانِ اسلام کے اذہان جدیدہ کو باطل و انسانیت سوز افکار مثلاً الحاد و تشکیک، مذہب بیزاری، ادیان باطلہ اور جدید فتنوں سے بچانا
- مقصدِ پنجم: نوجوانانِ اسلام کو اس قابل بنانا کہ وہ الحادی افکار کے ابطال کو سمجھ کر ان باطل افکار سے بچ سکیں اور اس قابل بنانا ہے کہ نوجوانانِ اسلام علمی و عقلی اور سائنسی تناظر میں دلائل و براہین کے ذریعے میں الحادی افکار کا رد کر سکیں،
- مقصدِ ششم: نوجوانانِ اسلام کو عصرِ حاضر کے جدید ترین فتنوں سے بچانا اور علمی دلائل کے ذریعے دین اسلام کی حقانیت کو واضح کرتے ہوئے ان فتنوں کے بطلان کی وضاحت کرنا،
- مقصدِ ہفتم: نوجوانانِ اسلام کو اسلام مخالف تنظیموں کے مزموم عزائم سے آگاہ کرتے ہوئے ان کے پراپیگنڈہ کو ناکام بنانا اور ان کے پراپیگنڈے کو ناکام بنانے کے لیے علمی لٹریچر کو ترتیب دینا ہے اور علمی جدوجہد کے ذریعے ان اسلام مخالف تنظیموں کا مقابلہ کرنا

مسلم ماتریدین آرگنائزیشن کا عملی دائرہ کار

مسلم ماتریدین آرگنائزیشن کا عملی دائرہ کار محدود نہیں بلکہ بہت وسیع ہے اس کے عملی دائرہ کار میں تمام سکولز، کالجز، یونیورسٹیز، مدارس و جامعات، مختلف تحقیقی و سماجی ادارے و تنظیمیں سب شامل ہیں،

مسلم ماتریدین آرگنائزیشن کے مختلف ڈیپارٹمنٹ

مسلم ماتریدین آرگنائزیشن اسلامی تنظیم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اسلامی تحریک بھی ہے اس لیے اس کے مختلف ڈیپارٹمنٹ ہیں

❁ پہلا ڈیپارٹمنٹ: آن لائن کورسز

اس ڈیپارٹمنٹ میں الحاد، تشکیک، لادینیت، مذہب بیزاری، ادیانِ باطلہ، اسلام مخالف مستشرقین اور جدید فتنوں کے تدارک کے لیے آن لائن علمی کورسز کروائے جائیں گے تاکہ نوجوانانِ اسلام ان کورسز کے ذریعے ردالحاد سمیت دیگر مذکورہ مکاتب فکر کا علمی رد کرنے کے قابل ہو جائیں

❁ دوسرا ڈیپارٹمنٹ: علمی لٹریچر (ماہنامہ بصیرت اسلام فارم)

اس ڈیپارٹمنٹ میں ملک بھر سے تمام اہل علم و محب دانش احباب شامل ہوں گے اور اپنے منفرد اسلوب کے ذریعے مذکورہ بالا موضوعات پر تحقیقی تحریرات قلمبند فرمائیں گے جس کو ہر مہینے ماہنامے کی صورت میں پیش کیا جائے گا اور اس علمی مسودے کو ملک کے بڑے بڑے تعلیمی اداروں تک پہنچایا جائے گا تاکہ وسیع تر تناظر میں علمی سرگرمیوں سے فائدہ حاصل ہو اور مذہبی و عصری تعلیمی ادارے اس علمی لٹریچر سے مستفید ہوں

❁ تیسرا ڈیپارٹمنٹ: عملی تحریک

اس ڈیپارٹمنٹ کی ذمہ داری یہ ہو گی کہ مختلف تعلیمی اداروں (سکولز، کالجز، یونیورسٹیز، مدارس، جامعات) میں جا کر رد الحاد سمیت مذکورہ موضوعات پر سیشنز کریں

مسلم ماتریدین آرگنائزیشن اور ہم

آپ سب کو ہماری طرف سے دعوت ہے کہ مسلم ماتریدین آرگنائزیشن کا حصہ بنیں اور اس مشن میں ہمارا ساتھ دیں تاکہ ہم مل کر مسلم نشاۃ ثانیہ کے تہذیبی احیاء کے ساتھ اسلام مخالف تنظیمیوں کا مقابلہ کر سکیں

الحاد اور قدیم الحادی فرقے

شیخ الحدیث پیر سائیں غلام رسول قاسمی حفظہ اللہ تعالی

وہر یہ لوگ اسلام سے پہلے قبل مسیح کے دور سے چلے آرہے ہیں۔ نزول قرآن کے وقت بھی یہ طبقہ موجود تھا۔ قرآن ان کا نام لیکر کی تردید کرتا ہے: وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدهر یعنی ان لوگوں نے کہا کہ ہماری زندگی بس یہی دنیا ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور ہمیں دہر (زمانہ) ہی ہلاک کرتا ہے [1]

دہر یہ لوگ ہر بندھن سے آزاد ہو کر اپنی خواہشات کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ یہ لوگ علی الاعلان نکاح کی مخالفت کر رہے ہیں اور اپنے لیے ہر عورت کو جائز کہہ رہے ہیں۔ تو پھر یہ لوگ اپنی ماں بہن اور تمام جانوروں کے بارے میں کیا کہیں گے؟

قرآن اسی لیے فرماتا ہے کہ: ان لوگوں نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنالیا ہے [2]۔ سچے خدا کا انکار کرنے کی نحوست اسی طرح ظاہر ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو ملحد بھی کہا جاتا ہے اور یہ خود کو ملحد مانتے بھی ہیں۔ قرآن فرماتا ہے: وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ یعنی اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں تو اسے انہی ناموں سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں کے بارے میں الحاد اختیار کرتے ہیں، عنقریب انہیں ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا [3]

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا أَفَمَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَم مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ یعنی بے شک وہ لوگ جو ہماری آیتوں کے بارے میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم پر پوشیدہ نہیں تو کیا جو آگ

---

[1] القرآنِ مجید، سورہ الجاثیہ: ۲۴

[2] القرآن مجید سورہ الجاثیہ: ۲۳

[3] القرآنِ مجید سورہ الاعراف ۱۸۰

میں جھونکا جائے گا وہ اچھا ہے یا جو قیامت کے دن بے خوف ہو کر آئے گا وہ اچھا ہے؟ جو چاہو کیے جاؤ بے شک وہ تمہارے سب کام خوب دیکھ رہا ہے[4]

واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کے سامنے ملحدین کوئی نیا معمہ نہیں ہیں بلکہ ملحدین کیلئے ایک تلخ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ہر سوال کا جواب پہلے ہی قرآن وحدیث کے علاوہ اسلامی عقائد کی کتابوں میں تفصیل سے دیا جا چکا ہے، مثلا: کتاب التوحید للماتریدي، کتاب الابانہ لاشعری، الاقتصاد الغزالی، شرح عقائد نسفی، عقیدہ طحاویہ، شرح مواقف، شرح مقاصد وغیرہ صدیوں سے تمام مدارس کے نصاب میں شامل کتاب شرح عقائد نسفی کے صفحہ ۳۲ سے یہ بحث شروع ہوتی ہے جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں اَلْمُحْدِثُ لِلْعَالَمِ هُوَ اللّٰهُ تَعَالَى یعنی اس جہان کا پیدا کرنے والا اللہ تعالی ہے

اس کتاب (اسلام زندہ باد) میں صفحہ ۱۲ پر علم کے ذرائع صفحہ ۳۳ پر حدوث عالم یعنی اس جہان کا مخلوق ہونا، صفحہ ۳۲ پر خالق و محدث کا وجود صفحہ ۵۸ پر قرآن کی حقانیت اور صفحہ ۱۳۶ پر نبوت مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت جیسے دلائل پر مفصل بحث آج بھی موجود ہے۔ پھر انہی صدیوں پرانے سوالوں کو دوبارہ دہرا دینا محض شرارت نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر بھی تم لاکھ رنگ روپ اور انداز بدل لو، انشاءاللہ ہر رنگ کو کاٹ دیا جائیگا، ہر روپ کو بہروپ ثابت کر دیا جائے گا اور ہر انداز کو عصری تقاضوں کے مطابق ناساز کر دیا جائیگا۔

دہریہ کے بے شمار فرقے

دہریہ سوال کرتے ہیں کہ اسلام میں فرقے کیوں ہیں؟ حالانکہ خود دہریہ کے بے شمار فرقے ہیں اور ایک ایک فرقے میں کئی کئی فرقے ہیں جن کی مختصر سی تفصیل اس طرح ہے۔

فلسفی فرقہ اور اس کے مزید فرقے

اس فرقے میں مزید کئی فرقے ہیں:

(1) بنیادی دھریہ فرقہ: جو خالق کے وجود کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ دنیا کا نظام اسی طرح ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور ہمیشہ چلتا رہے گا۔

(2) طبیعیہ فرقہ: اس فرقے نے انسان کے وجود، اس کے اعضاء کی ساخت، جانوروں اور پودوں کے عجائبات پر غور کیا تو ان چیزوں کے خالق کے وجود کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ مگر اس فرقے کے نزدیک کسی چیز کے

---

[4] القران مجید، سورۃ فصلت ۴۰

معدوم ہو جانے کے بعد اس کا اعادہ ممکن نہیں، لہذا یہ فرقہ دوبارہ زندہ ہونے اور آخرت کا منکر ہو گیا اور بے لگام ہو کر جانوروں کی طرح لذات میں لگ گیا۔

(3) الہیہ فرقہ (الھیین): یہ فرقہ دوبارہ زندہ ہونے میں شک کرتا تھا مگر قطعی انکار نہیں کرتا تھا، کہتا تھا کہ قیامت کے دن صرف روحیں اٹھائی جائیں گی اور عذاب و ثواب صرف روحانی ہوں گے جسمانی نہیں۔ اس فرقے نے اوپر مذکور دونوں فرقوں کا خوب رد کیا، اس قدر زیادہ تردید کی ہے کہ مسلمانوں کو اس پر مغزماری کی ضرورت نہ رہی اور اللہ تعالی نے صنم خانے سے ہی کعبے کی پاسبانی کا کام لے لیا[5]

ثنویہ فرقہ اور اس کے مزید فرقے

ثنویہ فرقہ دو چیزوں کو ازلی اور قدیم سمجھتا ہے اس لیے اسے ثنویہ کہا جاتا ہے۔ وہ دو چیزیں نور اور ظلمت ہیں یعنی روشنی اور اندھیرا۔ اس فرقے کے اندر مزید کئی فرقے ہیں۔

(1) مانویہ فرقہ: اس فرقے کا بانی مانی بن فاتک ہے جو حضرت عیسی علیہ السلام کے زمانے کے بعد سابور بن اردشیر کے زمانے میں ہوا۔ اسے بہرام بن ہرمزین سابور نے قتل کیا۔

اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دنیا (عالم) دو چیزوں سے مرکب ہے جو ازلی ہیں ایک نور اور دوسری ظلمت، نور خوبصورت ہے اور ظلمت بدصورت، نور بھلائی ہے اور ظلمت شرارت، نور صلح ہے اور ظلمت فساد، نور اوپر کو جاتا ہے اور ظلمت نیچے کو۔ نور زندگی ہے اور ظلمت موت، نور سے فرشتے پیدا ہوتے ہیں اور ظلمت سے شیاطین۔

2) مزدکیہ فرقہ: اسکا بانی مزدک ہے جو نوشیروان عادل کے والد قباذ کے زمانے میں گزرا ہے۔ قباذ خود بھی اس کا پیروکار تھا۔ مگر نوشیروان جب اس مزدک کی تعلیمات فاسدہ پر مطلع ہوا تو اس نے اسے قتل کر دیا۔ مزدک کہتا تھا کہ نور اپنے اختیار سے کام کرتا ہے مگر ظلمت محض اتفاقیہ کام دکھاتی ہے۔ یہ بھی کہتا تھا کہ اکثر جھگڑے عورت اور دولت کی وجہ سے ہوتے ہیں ۔۔۔۔ اس فرقے کے مزید کئی فرقے ہیں: الکوذیہ، ابر مسلمیہ، الماھانیہ، اور الاسبید خامکیہ

3) دیصانیہ: یہ فرقہ دیصان نامی آدمی کی طرف منسوب ہے۔ دیصان دراصل ایک دریا کا نام ہے جس کے کنارے اس فرقے کا بانی رہا کرتا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ نور قصد اور اختیاری طور پر کام کرتا ہے مگر ظلمت طبعی

---

[5] (المنقذ من الضلال صفحہ ۱۷، قرطبی جلد ۱۶ صفحہ ۱۴۹)۔

طور پر اور اضطراری طور پر کام کرتی ہے۔ نور زندہ ہے، عالم ہے، قادر ہے، حساس ہے، دراک ہے اور اس کے ذریعے دنیا میں حرکت اور حیات قائم ہے۔ مگر ظلمت مردہ ہے، جاہل ہے، عاجز ہے، جادو ہے، اس کا اپنا کوئی فعل نہیں اور نہ ہی اسے تمیز ہے۔

4) مرقیونیہ: اس کا بانی مرقیون ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ نور اور ظلمت کے ساتھ ایک تیسری بنیاد بھی موجود ہے جو نور سے نیچے اور ظلمت سے اوپر ہے۔ یہ دنیا میں نور اور ظلمت کے امتزاج کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے اسے اُلمُعدِلُ الجامع کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہاں تک کی ساری بحث مرتب کرنے میں ہم نے امام ابو منصور ماتریدی علیہ الرحمہ کی کتاب التوحید صفحہ ۲۰۹ تا ۲۴۶، حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کی کتاب المنقذ من الضلال اور علامہ عبدالکریم شہرستانی کی کتاب الملل والنحل جلد ا صفحہ ۲۱۳ تا ۲۳۵ سے مدد لی ہے۔

سوفسطائیہ فرقہ

سوفسطائی کہتے ہیں کہ دنیا میں خشکی کی چیزیں پانی میں مر جاتی ہیں اور پانی کی چیزیں خشکی میں مر جاتی ہیں۔ چنگا در رات کو دیکھتا ہے اور دن کو اندھا ہو جاتا ہے، انسان کو لذت حاصل ہوتی ہے اور زائل بھی ہو جاتی ہے علم حاصل ہوتا ہے پھر بھول بھی جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ صحیح علم کا حصول ناممکن ہے۔

سوفسطائیہ کے تین فرقے ہیں:

(1) عناویہ: عنادیہ کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی کو کچھ معلوم نہیں، دنیا کی ہر چیز میں وہم اور باطل خیالات ہیں۔

(2) عندیہ: عندیہ کہتے ہیں کہ جس کا جو خیال ہے وہی ٹھیک ہے۔

(3) لاادریہ: لاادریہ کہتے ہیں کہ ہمیں ہر چیز کے ثبوت اور عدم ثبوت میں شک ہے۔ پھر انہیں اس شک کے صحیح ہونے میں بھی شرک ہے اور پھر مزید شک پر شک کرنے میں بھی شک ہے اور آگے ہر تک پر شک کی کوئی انتہا نہیں[6]

ان کی تردید کرتے ہوئے حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ :"یاد رکھنا چاہیے کہ ملحدین کا ایک گروہ سوفسطائیہ ہے، ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ انکا مذہب یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں صحیح علم کسی کے پاس نہیں اور علم بذات خود کوئی چیز نہیں۔ اسکے جواب میں ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ بتاؤ یہ جو تم نے جانا

---

6 شرح العقائد نسفی صفحہ ۱۰

ہے کہ کسی چیز کا علم درست نہیں ہے، تمہاری یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے یا نہیں ؟اگر یہ جواب دو کہ یہ بات صحیح ہے تو تم نے خود صحیح علم کا اقرار کر لیا اگر یہ کہو کہ یہ بھی صحیح نہیں ہے تو جو چیز بذات خود صحیح نہ ہو اسکے ذریعے بحث کرنا محال ہے۔ایسے شخص سے بات کرنا بھی دانائی نہیں ہے۔بے دینوں کا یہ نظریہ خیال انکی حماقت وجہالت پر مبنی ہے اس لئے کہ علم کو ترک کرنا دو باتوں سے خالی نہیں۔یا تو وہ کسی علم سے ہوگا، یا وہ جہالت و نادانی سے۔اگر کسی علم سے علم کو ترک کیا جائے تو علم نہ کسی علم کی نفی کرتا ہے اور نہ اس کے مقابلہ میں آتا ہے۔لہذا علم کے ذریعہ علم کی نفی اور ترک محال ہے۔ لامحالہ کسی علم کا ترک کرنا جہالت اور نادانی سے ہی ہوگا۔ثابت ہو گیا کہ علم کی نفی سراپا جہالت کی وجہ سے ہوتی ہے اور جاہل قابل مذمت ہوتا ہے اور جہالت کفر اور باطل کا قرینہ ہے حق کا جہالت سے کوئی تعلق نہیں "[7]

آج بھی تمام ملحدین کے افکار ایک جیسے نہیں۔اور اگر یہ لوگ کسی سازش کے تحت خود کو متحد ظاہر کریں تو یہ ان کے لیے پہلے سے بڑی مصیبت ہے۔اسلئے کہ اب ان پر سوال ہوگا کہ تم سب لوگ آپس میں متحد کیسے ہو گئے ؟ایک دوسرے کے پابند کیوں ہو ؟ہر بندہ اپنی الگ سوچ اور عقل سے کام کیوں نہیں لے رہا؟ پھر یہ سوال رہ جاتا ہے کہ اپنے نظریات کا دفاع کرنے کا حق تمہیں کیسے ملا؟ نظریات کا دفاع کرنا ہی مذہب کا اعلان ہے۔مانو نہ مانو حق تو یہی ہے کہ اپنے آپ کو لا مذہب کہنے والے مذہب میں پھنس چکے ہیں۔

واضح ہو گیا کہ آج کے ملحدین اپنے نظریات کے حصول اور تشہیر میں عرصہ دراز سے کسی کے مقلد اور پابند چلے آرہے ہیں،اسکے اپنی تحقیق اور آزاد خیالی کے دعوے صرف اسلام کے مقابلے پر ہیں ورنہ اپنی ذات میں انکی کوئی ذاتی تحقیق نہیں اور نہ ہی ان کے خیالات اپنے ملحد پیشواؤں سے آزاد ہیں۔یہیں سے ہمیں یہ کہنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے کہ الحاد بھی دراصل ایک مذہب ہے اور مذہب کے انکار میں بھی ان کا اقرار پوشیدہ ہے اور یہ باقاعدہ کسی کے مقلد ہیں۔

ایک ذمہ دار مسلمان مبلغ پر لازم ہے کہ پوری دنیا کے حالات پر بھی نظر رکھے اور اندرونی حالات پر بھی نظر رکھے اور ہر علاقے اور ہر موقع کی ترجیحات کو اچھی طرح سمجھ کر میدان تبلیغ میں اپنا کردار ادا کرے۔یہ دین کی سمجھ کے اہم ترین شعبوں میں سے ایک ہے۔

دینی غیرت رکھنے والے دوستوں سے درخواست ہے کہ دین کا صحیح صحیح نقشہ قرآن وسنت کے علوم،اپنے عمل اور کردار اور اپنی ذمہ دارانہ سنجیدہ سوچ کے ذریعے پیش فرمائیں۔

---

[7] کشف المحجوب، ص:15

آئندہ صفحات میں ہم نے علم حاصل کرنے کے ذرائع، مذہب کی ضرورت، اللہ تعالیٰ کا وجود اور توحید کا ثبوت، عصر حاضر کے اہم ترین انسانی مسائل کا اسلامی حل اور ملحدین کے سوالات اور اسکے جوابات مفصل طور پر تحریر کر دیے ہیں۔ اللہ کریم جل شانہ فقیر کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسے ہدایت کے متلاشیوں کیلئے مفید بنائے۔ آمین

الحاد کا تعارف اور جدید الحادی فرقے

محمد انور الماتریدی

ایتھیزم (Atheism) دو الفاظ کا مرکب ہے پہلا: A : جس کو یہاں "نفی" کے معنی میں استعمال کیا گیا جبکہ دوسرا: Theism : جس کا معنی ہے الہ/خدا کے وجود پر ایمان رکھنا، تو جب یہ دو الفاظ: A+ Theism : ملے تو لفظ "Atheism" بنا جس کا مطلب ہے "انکار الہیت" اور وجود باری تعالی کا انکار کرنا ہے، اور اسی کے ہم معنی لفظ "الحاد" ہے اگرچہ لفظِ "الحاد" کا اصل مادہ۔ل،ح،د۔ ہے جس کے معنیٰ ماخذ 'ترچھا پن" ہے اور یہ ہر اس گروہ کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو گمراہ ہو مگر عصرِ حاضر میں اس کو خاص کر دیا گیا ہے ان مکاتب فکر کے لیے جو وجود خدا کے منکر ہوں۔

الحاد کا لسانی تحلیلی تعارف

الحاد (Atheism) کا تعارف پیش کرتے ہوئے حمزہ اینڈرس اپنی کتاب "The Divine Reality ,God, Islam & The Mirage of Atheism" میں لکھتے ہیں

> The best place to start may be with a definition. Atheism linguistically means not a theist; in other words. Someone who does not believe in a God or gods .The prefix a means none or not and theism coming from the word theos denotes a : belief in the existence of an intervening God or Gods Both come from Greek.[8]

ترجمہ:۔

ابتدائے کلام کا بہترین مقام اس موضوع کی تعریف ہے Atheism کا لسانی معنی 'الہ کا انکار کرنا ہے دوسرے لفظوں میں اس اصطلاح کا اطلاق اس شخص پر ہوگا جو کسی کا ایک خدا یا متعدد خداؤں و دیوتاؤں کا انکاری ہو، لسانی تناظر میں یہ لفظ "Theism" سے ماخوذ ہے اور theism یونانی لفظ "Theos سے نکلا جس کا معنی ہے کسی ایک خدا یا متعدد خداؤں و دیوتاؤں پر ایمان لانا ہے۔

---

[8] (The Divine Reality ,God, Islam & The Mirage of Atheism , Pg 9)

الحاد کی اصطلاحی تعریف_Terminological Definition of Atheism

اصطلاحی تناظر میں الحاد کی تعریف یہ ہے

"الحاد ایک ایسا نظریہ ہے جس میں ہر قسم کی مافوق الفطرت ذات (چاہے وہ ایک الہ ہو یا متعدد خدا ہوں) اور تمام الہیاتی فکر کا تردید وانکار کیا جاتا ہے اگرچہ اس الہیاتی فکر کی نوعیت فلسفیانہ الہیات کی مثل غیر مشخص وغیر صفاتی الہ کی ہو یا مذہبی الہیات کی مثل مشخص وصفاتی ہو، الہامی الہیات ہو یا غیر الہامی الہیات ہو ہر قسم کی الہیاتی فکر کی یکساں تردید کا نام الحاد ہے۔۔۔۔

اسی مفاہیم پر الحاد کی تعریف کرتے ہوئے انسا کلیوپیڈیا برٹینیکا کے ایک مقالہ نگار لکھتے ہیں۔

Atheism, however , casts a wider net and rejects all belief in spiritual beings and to the extent that belief in spiritual being is definitive of what it means for a system to be religious, atheism rejects religion, so atheism is not only a rejection of the central conceptions of Judaism, Christianity and Islam. It is , as well, a rejection of the religious beliefs of such African religions as that of the Dinka and the Nuer, pf the Anthropomorphic gods of classical Greece and rome, and of the transcendental conception of hinduism and Buddhism . Generally atheism is a denial of God or of the gods , and if religion is defined in terms of belief in spiritual of all religious belief[9]

ترجمہ:۔

"الحاد غیر حسی وغیر مرئی موجودات کے بارے میں ہر قسم کے ایمان وعقائد کی تردید کا نام ہے الحاد تمام مذاہب کے مجموعے کو یکساں رد کرتا ہے الحاد صرف کسی مذہب ہی کے مقدمات کی تردید کا نام نہیں بلکہ وہ ہر قسم کے ایمان، عقیدے اور کلیتاً مذہب کو رد کرتا ہے چاہے وہ مذہب افریقی مذہب ہو یا یونانی یا رومی مذہب ہو ہندومت ہو یا چاہے الہامی مذاہب میں سے کوئی مذہب ہو یہودیت، عیسائیت یا اسلام ہو

[9] https://www.britannica.com/topic/atheism

الحاد ایک خدا اور ایک سے زائد ہر قسم کے خداؤں غرض خدا کہلانے والی ہر ہستی کے انکار کا نام ہے"

یعنی۔ جیسے الہیات اپنے وسیع النظر مفاہیم و معانی میں تمام اقسام کی الہیاتی فکر کے بارے میں بغیر قیودات کے اثباتی تصور رکھتا ہے۔ بالکل اسی تناظر میں اتنی ہی وسعت کے ساتھ الحاد ان سب الہیاتی فکر کے بارے میں بغیر کسی (فلسفیانہ، مذہبی ،الہامی اور غیر الہامی) تفریق کے، تصور وجود الہ کے بارے میں انکاری فکر رکھتا ہے۔

الحاد کی اقسام Types of Atheism

بلاشبہ الحاد اپنے اساسی عقیدے و مفاہیم میں وجود خدا کے غیر تقییدی انکار کا نام ہے مگر اس غیر تقییدی انکار کی بھی کئی جہات و زاویے ہیں جن کو ہم اقسام بھی کہتے ہیں الحاد کی تمام اقسام اپنی اساسی بنیاد پر کئی مکاتب فکر میں تقسیم ہیں جن کے بارے میں ہم فرداً فرداً گفتگو کریں گے تاکہ الحاد کی تمام فکری جہات کا احاطہ کر سکیں،

الحادی مکاتب فکر کے باہم فکری اختلاف کے پیشِ نظر ہم الحاد کو تین اقسام میں تقسیم کریں،

1) Atheistic Atheism 1)انکاری الحاد

2)Semi-Atheistic Atheism 2) نیم انکاری الحاد

3) Theistic Atheism 3)اثباتی الحاد

1)انکاری الحاد 1) Atheistic Atheism

اس مکتبہ فکر میں وجود باری تعالی کا صریح انکار کیا جاتا ہے جس کو سوچا سمجھا تاکیدی الحاد بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں امکانی و تشکیکی طریقہ کار کے بجائے ایک یقینی انکار کیا جاتا ہے ۔اسی قسم کے الحاد کی تعریف کرتے ہوئے آکسفورڈ یونیورسٹی کے شعبہ مذہب اور سائنس کے پروفیسر ایسٹر مگراء لکھتے ہیں۔

> By Atheist, I mean precisely what the word has always been understood to mean principled and informed decision to reject belief in gods [10]

ترجمہ:۔

"ملحد ہونے کے ناطے میں الحاد سے وہی مفہوم اخذ کرتا ہوں جو ہمیشہ سے لیا جاتا ہے الحاد وجود باری تعالی سے ایک باقاعدہ سوچا سمجھا انکار ہے،"۔

اسی مکتبہ فکر کے الحاد کو انکاری الحاد سے موسوم کیا جاتا ہے اور اسی کی مزید دو اقسام ہیں۔

---

[10] Twilight of Atheism; 175

i)علمیاتی الحاد۔۔ 1) Gnostic Atheism

ii) فطرتیتی الحاد 2) Naturalistic Atheism

I)علمیاتی الحاد -- 1) Gnostic Atheism

غیر الہیاتی و انکاری الحاد کے پہلے مکتبہ فکر کی اس قسم کو علمیاتی الحاد Gnostic Atheism کہتے ہیں کیونکہ اس الحاد میں دعوی کیا جاتا ہے کہ میں مابعد الطبعیاتی وجودیت کو دلائل و منطق کی روشنی پر پرکھ چکا ہوں اور اسی مدلل علمیاتی طرز پر میں دعوی کرتا ہوں کہ کوئی خدا نہیں ہے،

یہی الحاد وہ فکری نظریاتی مکتبہ فکر ہے جس کی بنیاد پر غیر الہیاتی فکر کو الحاد کہا جاتا ہے،

II) فطرت پرستانہ الحاد_____2)_Naturalistic Atheism

فطرت پرستانہ الحاد دراصل ایک سائنسی شاخ نیچرل سائنس (Natural Science) کی تخریبی صورت ہے کہ نیچرل سائنس میں ہم سائنسی طریقہ کار کو استعمال میں لاتے ہوئے فطرت اور فطرت کے داخلی قوانین کے متعلق اور مادی اشیاء کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں یعنی طبعیات پر گفتگو کرتے ہیں " مابعد الطبعیات " اشیاء پر گفتگو نہیں کرتے کیونکہ یہ ان کا شعبہ نہیں اور چونکہ یہ ان کا شعبہ نہیں اس لیے یہ نیچرل سائنس مابعد الطبعیات کا انکار نہیں کر سکتی۔

مگر فطرت پرستانہ الحاد نیچرل سائنس کے سائنسی طریقہ کار کا غیر متعلقہ استعمال کر کے اور اس کائنات اور اس میں موجود داخلی فطری قوانین کو بنیاد بناتے ہوئے خدا کا انکار کرتے ہیں کہ سائنسی طرز فکر میں وجود خدا کی کوئی حقیقت نہیں۔اسی الحادی مکتبہ فکر کے بارے میں حمزہ اینڈرس لکھتے ہیں،

> Like atheism, philosophical naturalism denies the Divine and the supernatural. Therefore, it is not surprising that most atheists adopt philosophical naturalism as a worldview. Philosophical naturalism is the view that all phenomena within the universe can be explained via physical processes. These physical processes are blind and non-rational. Philosophical naturalists reject all supernatural claims and some argue that if there is anything 'outside' the universe it does not interfere with it. Atheists, according to Professor Richard Dawkins, are philosophical naturalists.
>
> As stated by Dawkins, an atheist "believes there is nothing

beyond the natural, physical world" However, some atheist academics are not naturalists. Although these atheists deny the Divine, they affirm the existence of non-physical phenomena. For the theist, this type of atheism is -generally speaking-easier to intellectually engage with because they do not dismiss non-physical phenomena. In this respect there is some common ground with theism, It is important to note that most atheists who assert evidence against God's existence or argue that there is an absence of strong evidence for the Divine-adopt philosophical naturalism, implicitly or explicitly. Nevertheless[11]

ترجمہ:۔

"الحاد کی طرح، فلسفیانہ فطرت پرستی بھی تصور الہ اور ماورائے فطرت کا انکار کرتی ہے چنانچہ اس میں تعجب نہیں ہے کہ زیادہ تر ملحدین فلسفیانہ فطرت پرستی کو نظریہ حیات کے طور پر قبول کرتے ہیں، فلسفیانہ فطرت پرستی وہ نظریہ حیات ہے کہ کائنات میں واقع ہونے والے تمام مظاہر کی، طبیعیاتی سلسلہ اعمال کے ذریعہ وضاحت کی جاسکتی ہے۔ فلسفیانہ فطرت پرست لوگ تمام ترماورائے فطرت دعوؤں کو مسترد کرتے ہیں اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اگر اس کائنات سے باہر کسی چیز کا وجود ہے بھی، تو وہ اس کائنات کے ساتھ کسی قسم کا تعارض نہیں کرتی،

جیسا کہ پروفیسر رچرڈ ڈاکنز کا بیان ہے کہ ہر ملحد یہ یقین رکھتا ہے کہ فطری اور طبیعی دنیا سے ماوراء کچھ بھی موجود نہیں ہے تاہم کچھ ملحد دانشور فطرت پرست نہیں ہیں اگرچہ یہ ملحد خدا کے وجود کا انکار کرتے ہیں، وہ غیر طبعی مظاہر کے وجود کے قائل ہیں۔۔ خدا پر ایمان رکھنے والے کے لیے اس طرح کے الحاد پر علمی مباحثہ عمومی پیرائے میں آسان تر ہے کیونکہ وہ غیر طبعی مظاہر کا انکار نہیں کرتے یہ نہایت اہم بات ہے کہ زیادہ تر ملحدین جو خدا کے وجود کی تردید میں دلائل دینے پر اصرار کرتے ہیں۔ فلسفیانہ فطرت پرستی کا تصور اپناتے ہیں، خفیہ یا علانیہ"۔۔

الغرض اس الحادی مکتبہ فکر میں کائنات و قوانین فطرت کو بطور دلیل پیش کر کے مکمل وثوق سے وجود خدا کا انکار کیا جاتا ہے

---

11 The Divine Reality .God .Islam &The Mirage of Atheism ; Pg 13)

2)Semi-Atheistic Atheism نیم انکاری الحاد

یہ غیر الہیاتی مکتبہ فکر کا دوسرا الحادی مکتبہ فکر ہے جس میں وجود باری تعالی کا وثوق سے مطلق انکار تو نہیں کیا جاتا لیکن اس وجود خدا کو تسلیم بھی نہیں کیا جاتا اس الحاد کی اصل "مطلق انکار" نہیں بلکہ عدم ایمان ہے اسی سبب سے اس کو نیم الحادی مکتبہ فکر بھی کہتے ہیں۔

اسی نیم الحاد کی تعریف کرتے ہوئے بوسٹن یونیورسٹی کے پروفیسر مائیکل مارٹن اپنی کتاب میں لکھتے ہیں،

An Atheist is so someone without a belief in God ; he or she need not be someone who believes that God does not Exist[12]

ترجمہ۔

"ملحد وہ ہوتا ہے جو خدا کے وجود کا اعتقاد نہ رکھتا ہو، ملحد ہونے کے لیے خدا کے عدم موجودگی کا اعتقاد رکھنا ضروری نہیں"

اس مکتبہ فکر میں وجود خدا کے بارے میں قطعی طور پر انکاری راویہ نہیں اپنایا گیا بلکہ اس انکاری فکر سے بجائے "عدم ایمان" کا موقف اپنایا جاتا ہے، جس کو "لاادریہ" بھی کہا جاسکتا ہے۔ اور یہی "عدم ایمان" کا تصور اس مکتبہ فکر کو گزشتہ انکاری مکتبہ فکر سے منفرد تشخص فراہم کرتا ہے۔

اس نیم انکاری الحاد کے مزید دو مکاتب فکر ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں

i) سفسطہ الحاد۔۔۔ Sophistic Atheism

ii)۔۔ تشکیکی الحاد۔۔۔ Agnostic Atheism

I) سفسطہ الحاد --- Sophistic Atheism

نیم انکاری الحاد کے پہلے مکتبہ فکر کا الحاد "سفسطہ الحاد" ہے جس کو سوفسطائی الحاد بھی کہا جاتا ہے دراصل سوفسطائی ایک قدیم فلسفیوں کا گروہ تھا جو فن مناظرہ سیکھاتے تھے مگر ایک بات جو انہیں عجیب بناتی ہے وہ "اشیاء کی حقیقت کی صحت پر تشکیک کرنا ہے"

ان کے نزدیک دنیا کی تمام اشیاء کی حقیقت کے بارے میں ہم کچھ نہیں جان سکتے، کیونکہ کوئی شئے بھی حقیقت نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ طبعیات ومابعد الطبعیات کے بارے میں تشکیکی فکر رکھتے تھے، لیکن اس تشکیک کے باوجود انہوں

---

[12] The Cambridge companion to Atheism Pg 1

نے وجود خدا سے انکار نہیں کیا۔

لیکن جس سوفسطائی الحاد کے بارے میں ہم یہاں گفتگو کر رہے ہیں ان کے نظریات کی بنیاد وجود خدا پر "عدم ایمان" ہے کہ اس مکتبہ فکر کے نزدیک چونکہ اشیاء کی حقیقت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا اس لیے جب وجود کائنات ثابت نہیں تو اس کے خالق کا وجود تو بدرجہ اولی ثابت نہیں۔

اس مکتبہ فکر کا الحاد تشکیک کو اپنا ہتھیار بنا کر وجود خدا پر ایمان کی نفی کرتا ہے اس قسم کے الحاد کو "احتمالی الحاد" بھی کہا جاتا ہے۔

ii) تشکیکی الحاد Agnostic Atheism

نیم انکاری الحاد کے اس دوسرے مکتبہ فکر کو لادریہ الحاد بھی کہا جاتا ہے لیکن یہ جس شناخت سے مشہور ہے وہ تشکیکی الحاد ہے کہ اس میں خدا کے وجود پر "عدم ایمان" کے لیے تشکیک کو اپنایا جاتا ہے اس مکتبہ فکر میں وجود خدا کے انکار کے بارے میں مدلل دعوی تو نہیں کرتے مگر اس میں یہ دعوی کیا جاتا ہے "مابعدالطبعیات وجود / وجود خدا ہمارے دائرے حسیات سے باہر ہے اور چونکہ وہ ہمارے دائرہ حسیات سے باہر ہے

اس لئے اس کے وجود پر ایمان نہیں لا سکتے۔ان کے نزدیک وجود خدا کے اقرار سے زیادہ معقول "عدم ایمان" ہے اس الحاد بھی حتمی طور پر "وجودِ خدا" کا انکار تو نہیں کیا جاتا مگر تشکیک کے سبب خدا کے بارے میں عدم ایمان کی فکر کو ترجیح دی جاتی ہے اس لیے اس الحاد کو تشکیکی الحاد کہتے ہیں۔

3) اثباتی الحاد Theistic Atheism

غیر الہیاتی الحاد کے تیسرے مکتبہ فکر کو اثباتی الحاد کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں وجود خدا کے بارے میں کسی بھی قسم کا انکاری موقف اختیار نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے مقابلے میں ایسے خدا کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے جو غیر مشخص و غیر صفاتی ہو، اس الحادی مکتبہ فکر میں اس تصور خدا کا، جو مذہبی الہیاتی مکتبہ فکر میں موجود ہے اس کا انکار کیا جاتا ہے یعنی ان تمام خداؤں کا انکار کیا جاتا ہے جو مشخص وصفاتی ہوں اور ان کی اصل مذہب کے ساتھ ہو اس لیے اس الحاد کو انکاری و تشکیکی الحاد کے بجائے اثباتی الحاد کہا جاتا ہے۔

اسی الحادی فکر پر گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر پاؤل کلیٹیور لکھتے ہیں۔

"The most fruitful definition of Atheism is a negative one ; an Atheist does not believe in the god the theism favours"[13]

---

[13] The definition of Atheism journal of religion & Society vol , 11

ترجمہ:۔

"الحاد کی سب سے ثمر آور تعریف یہ ہے کہ ایک ملحد اس خدا کو نہیں مانتا جس کا تصور اہل مذہب پیش کرتے ہیں۔"

ممکنہ طور پر ایک سوال دریچہ تفکر پر دستک دے کہ آخر کیوں وجود خدا کے اقرار کے بعد بھی ان کو محض "مذہبی الہیاتی مکتبہ فکر" کے تصور خدا کے انکار پر الحاد کے دائرے میں داخل کر دیا گیا جبکہ انہیں کی طرح فلسفیانہ الہیاتی مکتبہ فکر بھی مذہبی الہیات سے صریح اختلاف رکھتے ہیں لیکن ان مکاتب فکر کو الحاد کیوں قرار نہیں دیا جاتا؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں یہ سوال درست ہے کہ فلسفیانہ الہیات کو بھی الحاد کے دائرے میں کیوں داخل نہیں کیا گیا مگر یہاں یہ نقطہ سمجھئے کہ اس اثباتی فکر کو الحاد میں اس لئے داخل کیا جاتا ہے کیونکہ یہ اثباتی الحاد تاریخی تناظر میں انکاری و تشکیکی الحاد کے لئے بطور سبب ثابت ہوئی (جس کو ہم اگلے باب میں بیان کریں گے)

یعنی یہ اثباتی الحاد انکاری و تشکیکی الحاد کے لئے سب سے مؤثر سبب ثابت ہوا، کہ اس اثباتی الحاد کے ذریعے دوسرے اساسی الحاد (انکاری و تشکیکی الحاد) یورپ میں عام ہوئے تھے اس لئے اس کو بھی الحاد میں شمار کیا گیا، مگر جیسے کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ "اثباتی الحاد" ہے حقیقی الحاد نہیں،۔۔اس اثباتی الحاد کی مزید دو اقسام ہیں۔

i) ڈی ازم Deism

ii) میزو تھیزم)۔۔۔ Misotheism

1)ڈی ازم Deism

اثباتی الحاد کا پہلے مکتبہ فکر وجود خدا کے بارے میں اثباتی فکر رکھتا ہے مگر ان کے نزدیک خدا ایک نامعلوم غیر مشخص و غیر صفاتی ذات ہے جس کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے؟ کیسا ہے؟

بس اس نے کائنات تخلیق کر کے اس کائنات کو قوانین فطرت کے تابع کر کے چھوڑ دیا، اس ڈی ازم میں الحاد کا ایک عنصر یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ اس تمام تر تصور وجود خدا کا انکار کرتا ہے جو مشخص و صفاتی ہو اور جس کا تصور مذہب نے دیا ہو۔

ii)میزو تھیزم)-- Misotheism

اثباتی الحاد کے دوسرے مکتبہ فکر کو میزو تھیزم کہتے ہیں میزو تھیزم دراصل تنفیرِ خدا (خدا سے نفرت) کا تصور ہے جس کے مطابق خدا کا وجود تو ہے مگر اس خدا کا وجود نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس کا وجود قابل نفرت ہے کہ اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو یہ دنیا بہت اچھی ہوتی اس خدا کے وجود سے ظلم و ستم کا وجود ہے اس نظریئے کے مطابق خدا تو کیا خدا

کے تصور سے بھی نفرت کرنی چاہئے۔اسی مکتبہ فکر کے بارے میں حمزہ اینڈرس لکھتے ہیں:۔

Although not considered a form of atheism, I thought it would be of great interest to elaborate on another type of rejection of the Divine. Rather than rejecting God's existence, this perspective involves a hatred of God and wish that He not exist. Known as misotheism, coming from the Greek misos, meaning hatred, and thens meaning God, this religious rebellion has been lurking in the dark flt is time some light was shed on this denunciation of God, which some might argue is the psychological basis for certain types of atheism[14]

ترجمہ:۔

"اگرچہ یہ الحاد کی قسم نہیں سمجھا جاتا، میرا خیال ہے کہ انکار خدا کی اس قسم کی وضاحت بھی دلچسپی سے لبریز ہو گی۔بجائے خدا کا انکار کرنے کے، یہ نقطہ نظر خدا کے ساتھ ایک شدید قسم کی نفرت پر مشتمل ہے اور یہ خواہش کہ اس کا وجود نہ ہی ہو۔الحاد کے انگریزی لفظ کی طرح یہ بھی یونانی زبان سے آیا ہے۔اس کی بابت کچھ مفکرین کا خیال ہے کہ یہ الحاد کی کچھ قسموں کو نفسیاتی بنیاد فراہم کرتا ہے۔"

جیسے کہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ اثباتی الحاد کے مکاتب فکر میں میں تصور خدا کا انکار تو نہیں کیا جاتا مگر پھر بھی ان میں الحاد کے اثرات پائے جاتے ہیں جن سے بلواسطہ الحادی فکر کی ترویج کی جاسکتی ہے، یا ترویج کی جارہی ہے یہ عین الحاد تو نہ سہی مگر یہ الحاد کے لئے آلہ و سفیر ضرور ہے۔

ماحصلِ کلام

یہ ہے الحاد کے تمام مکاتب فکر کا ایک مختصر و مربوط نقشہ، جس کے ذریعے ہم الحاد کی تمام فکری جہات کو سمجھ سکتے ہیں کہ پہلی قسم انکاری الحاد، دوسری قسم تشکیکی الحاد اور تیسری قسم اثباتی الحاد کے بارے میں ہیں اور ان مکاتب فکر کے باہمی اختلاف کو بھی ذکر کیا گیا کہ کون کونسا الحادی مکتبہ فکر کس کس نوعیت سے وجود خدا کے بارے میں انکاری فکر رکھتا ہے۔

---

[14] The Divine Reality,God .islam & The mirage of Atheism .Pg;11

اسی اختلافی تناظر کی بصیرت میں ہم اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ الحاد کی حقیقی قسم انکاری الحاد Atheistic Atheism ہے جو اپنی انکاری فکر میں ایک اساسی و اصولی حیثیت رکھتا ہے اس کے علاوہ باقی تمام الحادی مکاتب فکر اس کے مقابلے میں فروعی حیثیت رکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ میں انکاری الحاد کو اصل الحاد قرار دیتا ہوں اسی نتیجہ کے اثبات میں ہم آنے والے مباحث میں انکاری الحاد کے اعتراضات کے جوابات دیں گے کیونکہ اس کے رد سے ہم الحادی مکاتب فکر کو فکری محاذ پر شکست فاش دے سکتے ہیں۔

ترویجِ الحاد کے اسباب (قسط اول)

فیصل ریاض شاہد

جس طرح الحاد کی کوئی ایک متعین صورت نہیں ہے اور جس طرح تمام ملحدین ایک ہی درجے کے لادین نہیں ہوتے، اسی طرح الحاد کے اسباب بھی مختلف ہیں۔

ان اسباب و محرکات کی جماعت بندی مختلف اعتبارات سے کی جاسکتی ہے، مثلا ہم ان کی جماعت بندی بر اعظموں اور ممالک کے اعتبار سے بھی کر سکتے ہیں اور فکری، زمانی اور راسخ العقیدگی کے حوالے سے بھی کر سکتے ہیں۔ میں نے الحاد کی وجوہات، اسباب اور محرکات کو دو سوالات کے تحت ایڈریس کیا ہے۔

-1الحاد کیوں پھیلا؟

2۔لوگ ملحد کیوں ہو جاتے ہیں؟

پہلے سوال کا تعلق زمانہ ماضی سے ہے جبکہ دوسرا سوال زمانہ حال سے متعلق ہے۔ گویا الحاد کے اسباب و محرکات دو قسم کے ہیں۔ اولاء تاریخی اسباب جو جدید الحاد کی بنیاد بنے اور روم، وہ اسباب جو کسی بھی زمانے میں، کسی بھی خطے کے فرد کے ملحد ہو جانے کی وجہ بن سکتے ہیں۔

بقول ممتاز مفکر جناب احمد جاوید، دور حاضر کا الحاد علمی نہیں عملی ہے۔ یعنی فی زمانہ الحاد کسی علمی دریافت کی وجہ سے نہیں پھیل رہا، ایسا ہر گز نہیں کہ ملحدین کو خدا یا مذہب کے خلاف کوئی ایسی دلیل مل گئی یا کوئی ایسا علم لدنی حاصل ہو گیا جو زمانہ قدیم کے ملحدوں کو حاصل نہ تھا بلکہ جدید الحاد عملی نوعیت کا ہے۔ یعنی یہ ایک نگر سے زیادہ ایک رویئے کا نام ہے جو دور حاضر کی سرمایہ دارانہ سائنسی جبریت کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ اس کے برعکس قدیم الحاد علمی نوعیت کا تھا۔ ذیل میں الحاد کے چند اہم اسباب و محرکات بیان کئے جا رہے ہیں، ان میں سے بعض کا تعلق صرف پہلے سوال سے ہے جبکہ بعض کا تعلق دوسرے سوال سے ہے اور چند ایک ایسے ہیں جو دونوں میں مشترک ہیں۔

1-سائنسی تصور جہان Scientific World View

1-(سببِ اول)

سائنس مذہب کی دشمن ہے نہ مذہب سائنس کا حریف، کیونکہ دونوں کا موضوع بالکل مختلف ہے، سائنس طبیعیات Physics کا علم ہے جبکہ مذہب اصلاً مابعد الطبیعیات Meta-Physics سے بحث کرتا ہے۔ پھر یہ کیوں ہے کہ دور جدید میں سائنس کے بل بوتے پر مذہب کا نہایت شد و مد کے ساتھ انکار کیا جاتا ہے ؟اس کی وجہ یہ ہے کہ سائنس نہیں، بلکہ یہ ملحدین ہیں جو سائنس کے سہارے مذہب کا انکار کرتے ہیں۔ خالص سائنس تو مابعد الطبیعیاتی مسائل کی نہ تردید کرتی ہے نہ تصدیق، کیونکہ یہ اس کی ڈومین ہیں نہیں۔ سائنس کے سہارے مذہب کا انکار محمد دین کا خود تراشیدہ معیار ہے۔ جیسے قدیم الحاد کی سب سے بڑی وجہ فلسفہ تھا، ایسے ہی جدید الحاد کی سب سے بڑی وجہ سائنس بنی ہے۔ تجربیت، سائنسی ترقی اور سائنٹفک میتھڈ نے الحاد کی تشکیل و ترویج میں براہ راست طور پر نہ سہی، ثانوی طور پر نہایت بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ اگرچہ سائنس اپنی اصل میں مذہب مخالف نہیں ہے لیکن اس تاریخی حقیقت سے بھی مفر نہیں کہ سائنسی طریقہ کار اور سائنسی ترقی کے دور میں پیدا ہونے والے سائنٹفک ذہن نے نہایت بے باکی کے ساتھ مذہب کو رد کر دیا ہے۔ اگرچہ جدید ذہن کا یہ رویہ غیر منطقی ہے لیکن اس کے باوجود جدید سائنس کو مذہب کشی کے الزام سے بچایا نہیں جا سکتا۔

2(سببِ دوم)

انسان شروع ہی سے مظاہر فطرت پر غور کرتا آیا ہے۔ ہمیشہ سے اس کا طریقہ کار یہ رہا ہے کہ وہ مظاہر فطرت کے اسباب کی نسبت ان مظاہر کے اصل محرک ultimate Final Cause یعنی خدا کی طرف کرتا آیا ہے، مثلاً اس نے سورج کو ابھرتے دیکھا تو کہا کہ اس کا محرک خدا ہے، اس نے سمندر میں مد و جذر کو پایا تو کہا کہ یہ خدا کی قدرت کی نشانی ہے اور اس نے ستاروں کو چمکتے دیکھا تو کہا کہ ان ستاروں میں روشنی خدا نے بھری ہے۔ مطلب یہ کہ انسان ہمیشہ سے مظام فطرت کے اسباب Causes کی نسبت ان کے سبب اول یا حقیقی سبب کی طرف کرتا آیا ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ماضی کا انسان مظاہر فطرت کے نظام اسباب سے بالکل لاعلم تھا جو اس نے ہر شے خدا سے منسوب کر دیا؟ نہیں، وہ جانتا تھا کہ دو پتھروں کو رگڑنے سے چنگاری پیدا ہوتی ہے لیکن اس نے چنگاری کی نسبت چھر کی بجائے خدا کی طرف کی۔ کیوں ؟ کیونکہ ماضی کا انسان اپنی فطرت میں ایک روحانی وجود Spritual Being تھا، وہ دور حاضر کے سرمایہ دارانہ، سائنٹک اور مادی انسان سے بہت مختلف تھا۔ اگرچہ وہ مظاہر فطرت میں سے بیشتر کی سائنسی علل نہیں جانتا تھا لیکن اس کے

باوجود وہ اشیاء کے ظاہری اسباب کی کلیتا نفی نہیں کرتا تھا۔ یہ بات توجہ طلب ہے، ماضی کا انسان کم علم ضرور تھا لیکن وہ مظاہر فطرت کے ظاہری اسباب اور سائنسی تشریحات کا منکر ہر گز نہیں تھا۔

جدید سائنٹفک ذہن کو ماضی کے سادہ انسان کی روحانیت پسندی اور سائنسی کم علمی سے یہ مغالطہ ہو گیا کہ جیسے ماضی کا انسان جاہل مطلق تھا، اسے اتنی بھی خبر نہیں تھی کہ بیج سے درخت بننے تک کا تمام عمل قوانین فطرت کے تحت ہوتا ہے! جدید محمد ذہن یہ سمجھتا ہے کہ ماضی کے انسان نے ہر مظہر فطرت کی نسبت غلط طور پر خدا کی طرف کی ہے کیونکہ طور پر اس کائنات میں جاری وساری نظر نہیں آتا، یہ کائنات تو محض اپنے قوانین ہی کے تحت کو ہے۔ جدید ذہن یہ حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے کہ اشیاء کے ظاہری اسباب و علل کے علاوہ بھی کچھ تے ہیں۔ مختصر یہ کہ جدید ذہن کا تصور جہان World View ماضی کے انسان کے تصور جہان سے یکسر مختلف ہے۔ ماضی کے انسان کا ورلڈ ویو روحانی تھا جبکہ جدید مادی ذہن کا بنیادی تناظر Perspective مادی ہے۔ اسے اس کائنات میں قوانین فطرت تو نظر آئے لیکن خدا نظر نہیں آیا اس لئے اس نے خدا کی نفی کر دی۔ جدید ذہن کا یہ رویہ نہ صرف غیر منطقی، بلکہ غیر سائنسی بھی ہے۔

3-)(سببِ سوم)

زمانہ قدیم میں انسان اور کائنات کی آفرینش سے متعلق دو قسم کے نظریات پائے جاتے تھے۔ انسان کی پیدائش کو کبھی بھی ارتقائی کا نتیجہ قرار نہیں دیا گیا تھا۔ مسلمہ نظریہ ہی تھا کہ انسان کو خدا نے پیدا کیا اور زندگی گزارنے کیلئے دنیا میں اتار دیا ہے۔ البتہ بعض فلاسفہ کے ہاں مختلف قسم کے نظریات پائے جاتے تھے، مثلا نیک سیمینڈر نے انسان کو مچھلی کی ارتقاء یافتہ شکل قرار دیا تھا۔ یوں کہنا چاہئے کہ فلاسفہ اس قسم کے مجھے تو نکار ہے تھے لیکن وہ آفرینش انسان کے حوالے سے کسی حتمی نتیجے پر نہیں پہنچے تھے کیونکہ ان کے پاس اپنے عادی کے حق میں ٹھوس دلائل موجود نہ تھے۔ لیکن دور جدید میں ڈارون نے ارتقاء انسانی کو سائنسی بنیادوں پر استوار کر دیا۔ اس کے نظریے کے مطابق انسان ایک یک خلوی جاندار سے ارتقاء پا کر کروڑوں سال میں بتدریج موجودہ حالت تک پہنچا ہے۔

جہاں تک کائنات کی آفرینش کا تعلق ہے تو ماضی کے انسانوں میں یہ مسلمہ حقیقت تھی کہ انسان کی طرح کائنات بھی خدا کی تخلیق ہے۔ خدا نے اسے عدم سے وجود بخشا ہے۔ دوسری طرف بعض فلاسفہ دہریت یعنی زمانے کے تسلسل کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک کائنات ازل سے موجود تھی۔ بعض فلاسفہ نے اس معمے کی توجیہ نظریہ صدور کائنات سے کی، یعنی خدا اور کائنات کا تعلق شعلے اور روشنی کا ہے۔ جس طرح شعلہ جاتا ہے اور اس سے روشنی پھولتی ہے اور جیسے ہی شعلہ بجھ جانے سے روشنی بھی ختم ہو جاتی ہے ایسے ہی خدا بھی ہمیشہ سے موجود ہے اور کائنات بھی روشنی کی مانند اس سے صادر ہوئی ہے اور ہمیشہ سے موجود ہے یعنی وہ تسلسل زمانہ کے قائل تھے۔ اس نظریئے کے مطابق خدا خالق

کائنات قرار نہیں پاتا البتہ اتنا ضرور ہے خدا اور کائنات میں اولیت خدا کی ہے جیسے شعلے اور کرن میں اولیت شعلے کی ہے۔ قدم کائنات کا یہ نظریہ بھی محض فلسفیوں تک محدود تھا لیکن اس کے اثبات کے لئے ان کے پاس کوئی ٹھوس دلیل نہیں تھی۔

بیسویں صدی میں سائنسی ترقی کی بدولت نظریہ انفجار کبیر The Theory of Big Bang اور نظریہ ارتقاء کو بہت فروغ حاصل ہوا اور فی زمانہ انہیں سائنسی حقیقت Scientific Fact کے طور مانا جارہا ہے جب کہ یہ دونوں نظریات سائنسی حقیقت کہلانے کے معیار پر پورا نہیں اترتے۔ ان دو مفروضوں اتھیوریز نے جدید سائنٹلک انسان کی سوچ کا دھارا یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ ملحدین کے مطابق ان تھیوریز کے بعد اب خدا کی کوئی حاجت باقی نہیں بچتی یا بالفرض خدا کی کوئی گنجائش نکال بھی لی جائے تو وہ ایسا خدا ہے جس کا اس کائنات سے کوئی براہ راست تعلق نہیں کیونکہ اس کائنات کے نظام کو چلانے کیلئے فطری قوانین ہی کافی ہوں گے۔ یہ سوچ اس جدید مغربی سائنسی ذہن کی ہے جو نظریہ ارتقاء اور انفجار کبیر کی غذا سے پروان چڑھا ہے۔ جدید الحاد کا پورا مقدمہ انہی دو مفروضوں پر قائم ہے، کیونکہ یہ دونوں نظریات حیات و کائنات کی ایک متبادل توجیہ پیش کرتے ہیں اور توجیہ بھی رہ جو سائنسی ہے۔ قدیم الحاد کی ٹامک ٹوئیوں سے جدید الحاد اس حوالے سے مختلف ہے کہ اس نے اپنا مقدمہ سائنس پر قائم کیا ہے۔

4(سبب چہارم)

تجربیت کا لفظ تجربے سے ماخوز ہے جس کے معنی ہیں تجربات اور مادی شواہد کی بنیاد پر اشیاء و نظریات کو قبول یا رد کرنا، اس معیار رو و قبول کو حق سمجھ کر اپنا لینا تجربیت پسندی empiricism کہلاتا ہے۔ جہاں مذہب کو "ایمان" یا" عقیدہ" کا طعنہ دے کر یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ مذہب ایک ہوائی شے کا نام ہے، وہاں مد مقابل کے طور پر ملحدین کی جانب سے تجربی طریقہ کار کو پیش کیا جاتا ہے۔ سائنٹفک میتھڈ سائنس کی روح ہے اور تجربیت اس روح کی غذا ہے۔ مغرب کی فکری تاریخ کے مطالعے سے یہ بات واضح ہے کہ سائنسی ترقی نے عوام الناس کے اندر تجربیت کا بے انتہا رحب پیدا کر دیا ہے۔ صرف مغرب ہی کیا، دور حاضر کی پوری انسانیت تجربیت پرستی کی لپیٹ میں ہے۔ تجربیت پرستی کا یہ رجحان جدید الحاد کا بنیادی سبب ہے۔

5(سبب پنجم)

مادے کو کائنات کی اصل ماننا اور حیات و موت کی توجیہ مادی پیمانوں پر کرنا، مادیت پرستی کہلاتا ہے۔ سائنسی ترقی سے جہاں سہولیات پیدا ہوئیں، وہیں بے شمار تباہ کن نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے خود سائنسدانوں کو بھی انکار نہیں۔ ان مہلک نتائج میں سے ایک اہم ترین نتیجہ مادے کی پرستش Materialism ہے۔

سائنسی ترقی کی بدولت مادیت پرستی اور مادیت پرستی کے نتیجے میں الحاد کا پیدا ہونا ایک لازمی نتیجہ تھا۔ ایسا کیسے ممکن ہے کہ تو آم کا بویا جائے اور شاخوں پر امرود نمودار ہوں۔ دولت پرستی، شہوت پرستی، سہولت مندی اور خدا سے مفر، سبھی مادیت ہی کی۔ نوازشیں ہیں اور مادیت پرستی سائنسی ترقی کا منطقی انجام ہے۔ اقبال کے بقول:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ
گھر میں پرویز کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشہ فرہاد بھی ساتھ

(جاری ہے)

دورِ حاضر میں الحاد کا تدارک: ایک علمی و عملی تقاضا

محمد اسامہ مصطفائی

الحاد، جو فکری انحراف کی ایک پیچیدہ صورت ہے، آج ہماری نوجوان نسل کے اذہان کو جکڑ رہا ہے۔ خاص طور پر کالجز اور یونیورسٹیز میں اس کی جڑیں تیزی سے پھیل رہی ہیں۔ یہ مسئلہ نہ صرف علمی و فکری، بلکہ عملی طور پر بھی امت مسلمہ کے لیے ایک چیلنج بن چکا ہے۔ ایسے حالات میں الحاد کے تدارک کو اولین ترجیح بنانا وقت کا اہم تقاضا ہے۔

مغرب میں الحاد کے اسباب:

مغربی فلسفے کی جڑوں میں تشکیک کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ وہاں فلسفے کی تعلیم کا آغاز ہی اس سوال سے ہوتا ہے کہ "کیا خدا کا وجود ہے؟"۔ جب نوجوانوں کو فلسفے کے ابتدائی مراحل میں اس قسم کی بحثوں میں ڈال دیا جاتا ہے، تو ان کے ذہن تشکیک کی طرف مائل ہونے لگتے ہیں۔ نتیجتاً، وہ الحاد کی طرف بڑھ جاتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس ایسی فکری بنیاد نہیں ہوتی جو ان سوالات کا جواب دے سکے۔

علم الکلام کی اہمیت:

یہاں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اسلامی دنیا بھی علم الکلام کو دوبارہ زندہ کرے اور تعلیمی اداروں میں اس کی تدریس کو شامل کرے۔

جس طرح مغربی فلسفے میں خدا کے متعلق بحث کی جاتی ہے، ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے نوجوانوں کو فلسفۂ اسلام، علم الکلام، اور توحید و وجودِ باری تعالیٰ کے دلائل کی مکمل فکری اور عقلی وضاحت فراہم کریں۔

امام غزالیؒ جیسے جلیل القدر علماء نے اپنے وقت کے فلسفیانہ الحاد کا کامیابی سے رد کیا۔ اگر ان کی کتب جیسے "تہافت الفلاسفہ" وغیرہ کو آج کے زمانے کے سوالات سے ہم آہنگ کر کے نوجوانوں کے سامنے پیش کیا جائے، تو ان کے اذہان کو الحاد کی آندھیوں سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔

حکومت کی ذمہ داری:

الحاد کے بڑھتے ہوئے رجحانات کا مقابلہ کرنا صرف علماء اور عوام کا کام نہیں بلکہ یہ حکومت کی بھی ایک بنیادی ذمہ داری ہے۔

1. تعلیمی نظام میں اصلاحات:

حکومت کو چاہیے کہ وہ تعلیمی نظام میں فوری طور پر اصلاحات کرے۔

علم الکلام اور اسلامی فلسفے کو نصاب کا حصہ بنایا جائے تاکہ نوجوان الحاد کے اعتراضات کا جواب دینے کی صلاحیت حاصل کر سکیں۔

امام غزالیؒ، اور علامہ اقبالؒ جیسے مفکرین کی فکر کو جدید سوالات کے تناظر میں پیش کیا جائے۔

2. میڈیا کا مثبت استعمال:

الحاد کے اعتراضات کے مدلل جوابات پر مبنی پروگرامز نشر کیے جائیں۔

ڈاکیومنٹریز اور ڈرامے بنائے جائیں جو نوجوانوں کو دین کے قریب لانے میں مددگار ہوں۔

3. ریسرچ سینٹرز کا قیام:

اسلامی ریسرچ سینٹرز قائم کیے جائیں جہاں الحاد اور دیگر فکری مسائل پر تحقیق ہو اور ان کے جوابات تیار کیے جائیں

4. سوشل میڈیا کی نگرانی:

الحاد کے پھیلاؤ کے لیے استعمال ہونے والے سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر نظر رکھی جائے اور ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔

علماء کی ذمہ داری:

علمائے کرام کا فرض ہے کہ وہ اپنے باہمی مسلکی اختلافات کو کم کریں۔ اتحادِ امت کے بغیر کوئی بڑی جدوجہد ممکن نہیں۔ جب نوجوان علماء کو ایک دوسرے کے خلاف بدگوئی کرتے دیکھتے ہیں، تو دین سے مزید بدظن ہو جاتے ہیں۔ علماء کو چاہیے کہ الحاد کے خلاف جدوجہد کو اپنی اولین ترجیحات میں شامل کریں۔

ایک پنجہ اگر کھلا ہو تو وہ کمزور ہے، لیکن جب مٹھی بند ہو تو وہ طاقت کا مظہر بن جاتی ہے۔ اسی طرح اتحاد، امت کو مضبوط بناتا ہے۔

عوام کا کردار:

عام لوگوں کو چاہیے کہ وہ اہل علم کے ساتھ مسلسل رابطے میں رہیں۔ سوشل میڈیا پر موجود الحاد کے مختلف پلیٹ فارمز سے دور رہیں۔ جیسے ہی کوئی سوال ذہن میں آئے، اسے اپنی کم علمی کے باعث خود حل کرنے کی کوشش نہ کریں۔ فوراً کسی ماہر عالم یا فکری رہنما سے رجوع کریں۔

مسلمانوں کو ایک دوسرے کے لیے فکر مند ہونا چاہیے، کیونکہ قرآن کا واضح حکم ہے:

"وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ"

ترجمہ: نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دو۔

عملی تجاویز

1. تعلیمی نصاب میں تبدیلی: جدید الحاد کا جواب دینے والے مضامین شامل کیے جائیں۔
2. سوشل میڈیا پر جواب: علماء اور ماہرین جدید ذرائع استعمال کر کے الحاد کے پروپیگنڈے کا جواب دیں۔
3. مباحثوں کا انعقاد: نوجوانوں کو الحاد کے عقلی و نقلی دلائل سمجھانے کے لیے مجالس کا اہتمام کیا جائے۔

الحاد کا تدارک صرف علماء، عوام یا حکومت میں سے کسی ایک کے بس کا کام نہیں بلکہ سب کو مل کر ایک منظم حکمت عملی کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ یہ صرف ایک دینی مسئلہ نہیں بلکہ قومی بقا کا معاملہ ہے۔

اللہ ہمیں اس فکری فتنہ سے محفوظ رکھے اور ہماری نسلوں کو ایمان کی روشنی سے منور کرے۔ آمین۔

ابطالِ الوہیت یسوع اور بائبل

محمد ذوالقرنین البریلوی

مسیحی حضرات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بائبل میں یسوع کو کئی جگہ پر "خدا کا بیٹا" اور "خدا" کہا گیا ہے۔

اس وجہ سے مسیحی حضرات کا عقیدہ ہے کہ یسوع خدا کا بیٹا اور خدا ہے۔

مسیحی اپنے دعوے پر بطورِ دلیل بائبل کی یہ آیات پیش کرتے ہیں کہ !

"جب یسوع بپتسمہ لے کر پانی سے اوپر آیا تو آسمان کھل گیا اور یسوع نے اپنے اوپر خدا کی روح کو کبوتر کی شکل میں اترتے دیکھا، تب آسمان سے ایک آواز آئی کہ یہ (یسوع) میرا چہیتا بیٹا ہے اور اِس سے میں بہت خوش ہوں۔"[15]

بائبل کی ان آیات اور ایسی کچھ دیگر آیات کے پیشِ نظر مسیحی حضرات کا عقیدہ ہے کہ یسوع خدا کا بیٹا اور خدا ہے۔

لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ بائبل میں کسی کے لیے لفظ "خدا" یا "خدا کا بیٹا" استعمال ہونا کسی خاص فضیلت کو ظاہر نہیں کرتا، جو کہ ہم اس تحریر میں ثابت کریں گے۔

بائبل میں یسوع کو "خدا کا بیٹا" کہنا آپ نے ملاحظہ فرمایا

اب دیکھیں کہ بائبل میں یہ الفاظ اور کس کس کے لیے استعمال کیے گئے اور کس کس کو بائبل میں "خدا" یا "خدا کا بیٹا" کہا گیا ہے، اور ساتھ ہی ہم یہ بیان کریں گے کہ اُس کا معنیٰ کیا ہے۔

زبور میں خدا عام انسانوں سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ !

"تم سب خدا ہو، اور سب سے عظیم خدا کی اولاد ہو"۔[16]

زبور کی اس آیت کا انگلش ترجمہ کچھ یوں ہے !

"I (God) have said, You are gods, and all of you are Children of the most High[17]."

---

[15] متی کی انجیل، باب 3 آیت 16،17

[16] عہد نامہ قدیم، زبور، باب 82، آیت 6

[17] The Old Testament Published by The Church of Jesus Christ, USA, Page 768

زبور میں خداوند نے تمام عام انسانوں کو "خدا" اور "خدا کا بیٹا" کہا ہے، اور اس بات کی صراحت یسوع نے بھی کی ہے ملاحظہ فرمائیں!

(جب یہودیوں نے یسوع کو اس بات پر پتھر مارنے شروع کیے کہ یسوع خود کو خدا کہتا ہے تو یسوع نے یہودیوں سے کہا) یسوع نے جواب دیا! یہ تمہاری شریعت میں لکھا ہے میں (خداوند) نے کہا کہ ''تم (تمام عام انسان) خدا ہو''۔[18]

یہاں یسوع، یہودیوں کے سامنے حجت قائم کر رہا ہے کہ تمہاری کتاب میں تم کو بھی تو خدا کہا ہے گیا ہے تو پھر جب میں نے خود کو خدا کہا تو تم مجھے کیوں مار رہے ہو؟

اِسی طرح ایک مقام پر خدا موسیٰ سے کہتا ہے!

''تب خدا نے موسیٰ سے کہا کہ دیکھ میں نے تجھے فرعون کے لیے گویا خدا ٹھہرایا ہے اور تیرا بھائی ہارون تیرا پیامبر ہو گا''۔[19]

اس آیت میں خداوند موسیٰ کو بھی خدا کہہ رہا ہے لیکن ہمیں آج تک ایسا کوئی مسیحی نہیں ملا جو موسیٰ کو بھی یسوع کی طرح خدا کہتا یا مانتا ہو۔

اب ملاحظہ فرمائیں کہ بائبل میں شیطان کو بھی "خدا" کہا گیا ہے بلکہ پورے جہاں (کائنات) کا خدا کہا گیا ہے۔

عبارت کچھ یوں ہے!

''یعنی ان بے ایمانوں کے واسطے جن کی عقلوں کو "اس جہاں کے خدا" نے اندھا کر دیا ہے مسیح جو خدا کی صورت ہے اس کے جلال کی خوشخبری کی روشنی ان پر نہ پڑے، تاکہ وہ دیکھ نہ سکے''۔[20]

بائبل یہاں شیطان کو پوری کائنات کا خدا کہہ رہی ہے۔

اور یہاں "اس جہاں کے خدا" سے مراد شیطان ہے کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ مسیح کے جلال کی روشنی لوگوں تک پہنچے۔

اور یہ بات ہم خود سے نہیں کر رہے کہ یہاں "خدا" سے مراد شیطان ہے بلکہ مسیحیوں نے خود کہا ہے کہ اس سے مراد شیطان ہے۔

عہد نامہ جدید کے انگلش ترجمہ میں یہ آیت یوں ہے۔

---

[18] یوحنا کی انجیل، باب 10، آیت 34

[19] عہد نامہ قدیم، تورات کی کتاب خروج، باب 7، آیت 1

[20] عہد نامہ جدید، 2 کرنتھیوں، باب 4، آیت 4

"In whome the god of this world hath blinded the minds of them which believe not,lest the light of the glorious gospel of Christ,who is the image of God,Should shine unto them."

اب اس آیت میں "God of this world" سے مراد نیچے حواشی میں "DEVIL" یعنی شیطان لکھا ہوا ہے۔[21]

یعنی بائبل کے مطابق شیطان بھی خدا ہے اور تمام عام انسان بھی خدا ہیں۔

اب ہم بیان کریں گے کہ بائبل میں کسی کے لیے لفظ "خدا" یا "خدا کا بیٹا" استعمال ہونے کا مطلب کیا ہے۔

بائبل میں کسی کے لیے یہ الفاظ استعمال ہونے کے دو مطلب ہیں !

ایک مطلب تو یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں قدرت ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو خداوند کا پیغام لوگوں تک پہنچائے وہ "خدا کا بیٹا" اور "خدا" ہے۔

پہلے مطلب کی دلیل یہی "2 کرنتھیوں، باب 4، آیت 4" ہی ہے جس میں شیطان کو کائنات کا خدا کہا گیا۔

کیونکہ شیطان کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ دنیا میں کسی بھی شخص کو گمراہ کر سکتا ہے۔

اور دوسرے مطلب کی دلیل بھی گزر چکی کہ !

موسیٰ کو فرعون کے پاس خدا بنا کر بھیجا کہ جا کر اس کو میرا پیغام سناؤ۔

اور یسوع نے بھی یہودیوں کو یاد کروایا کہ تم سب کو خدا کہا گیا ہے۔

پھر یسوع نے کہا کہ !

"جبکہ اس (خداوند) نے اُنہیں خدا کہا جن کے پاس خدا کا کلام آیا"۔[22]

یسوع نے یہ بات واضح کر دی کہ جن کے پاس خدا کا کلام آیا اُن کو خدا کہا گیا تاکہ وہ خدا کی تعلیمات آگے پہنچائیں اور اس پر عمل کریں۔

اور زبور میں بھی جہاں پر عام انسانوں کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا گیا وہیں پر اس کا مقصد بھی بتایا گیا۔

چنانچہ وہیں آگے آیت نمبر 8 میں خداوند کہتا ہے کہ !

اے خدا (یعنی عام انسان) اٹھ اور زمین کا انصاف کر، کیونکہ تمام قومیں تیری میراث ہیں۔[23]

---

[21] The New Testament Published by The Church of Jesus Christ, USA, Page 1463

[22] یوحنا کی انجیل، باب 10، آیت 35

[23] عہد نامہ قدیم، زبور، باب 82، آیت 8

یہاں پر بھی خدا نے عام انسانوں کو خدا کہہ کر مخاطب کیا اور کہا کہ زمین میں انصاف کرو کیونکہ تمام قومیں تیری میراث ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس خدا کا کلام پہنچا ہے وہ اس کو ان تمام لوگوں تک بھی پہنچائے جن کے پاس نہیں پہنچا۔

اور یہی سب مسیحی تعلیمات ہیں کہ جو کوئی خداوند کا حکم مانے اور اس کی تعلیمات دوسروں تک پہنچائے وہ "خدا" اور "خدا کا بیٹا" ہے۔

اور انہی معنوں میں بائبل میں یسوع کو "خدا" اور "خدا کا بیٹا" کہا گیا ہے کیونکہ وہ بھی خداوند کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے تھے یعنی ایک پیامبر تھے۔

اگر وہ خود کو خُدا سمجھتے ہوتے تو کبھی بھی یہودیوں کے سامنے یہ نہ کہتے کہ تم لوگوں کو بھی خدا کہا گیا ہے (یعنی تم میں جو خدا کا پیغام دوسروں تک پہنچاتا ہے اس کو بھی خدا کہا گیا ہے اور میں بھی خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچاتا ہوں اس لیے خود کو خدا کہتا ہوں)

لیکن آج کل کے مسیحی، یسوع کے لئے بائبل میں موجود "خدا" یا "خدا کا بیٹا" کے الفاظ کا کوئی اور معنی ہی مراد لیتے ہیں اور یسوع کو خُدا مانتے ہیں۔

اب ملاحظہ فرمائیں کہ بائبل کے مطابق بھی یسوع خود کو اِس معنی میں خدا نہیں سمجھتا تھا جس معنی میں مسیحی حضرات ان کو خُدا کہتے ہیں۔

ایک یہودی نے آکر یسوع کو "نیک استاد" کہہ کر مخاطب کیا تو یسوع نے کہا!

"تم مجھے نیک کیوں کہتے ہو؟ صرف خُدا ہی نیک ہے"۔[24]

اس مقام پر یسوع کا یہ کہنا کہ "صرف خدا ہی نیک ہے" اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یسوع خود کو اُس معنی میں خدا نہیں سمجھتا تھا جس معنی میں مسیحی، یسوع کو خدا کہتے ہیں کیونکہ یسوع نے یہودی کو منع کر دیا کہ مجھے نیک نہ کہو کیونکہ صرف خدا ہی نیک ہے، اگر یسوع خود کو خدا سمجھتا تو یہودی کو ایسا کہنے سے منع نہ کرتا۔

ایک مقام پر پولوس بھی عقیدۂ تثلیث کا رد کرتا ہے۔

پولوس اپنے اِفسیوں کو لکھے خط میں کہتا ہے کہ!

---

[24] لوقا کی انجیل، باب 18، آیت نمبر 18، 19

ایک ہی خداوند ہے، ایک ہی ایمان، سب کا خُدا اور باپ ایک ہی ہے جو سب کے اوپر اور سب کے ساتھ اور سب کے اندر ہے۔[25]

پولوس کے مطابق تو اصل معنوں میں سب کا خُدا ایک ہی ہے جبکہ اسی کے ماننے والے مسیحی کہتے ہیں کہ یسوع بھی خُدا ہے اور روح القدس بھی خُدا ہے، تو کیا یہ سیدھا سیدھا مسیحی تعلیمات سے انحراف نہیں؟

اب مسیحی حضرات کو چاہیے کہ حق قبول کریں اور اپنے باطل عقائد سے رجوع کریں لیکن اگر کوئی رجوع نہیں کرتا اور اس کے نزدیک بائبل کے مطابق "خدا" یا "خدا کا بیٹا" ہونے کے الفاظ کسی خاص فضیلت کو ظاہر کرتے ہیں تو پھر ان کو چاہیے کہ تمام انسانوں کو بھی وہی مقام دیں کیونکہ بائبل ہر انسان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتی ہیں، اور شیطان کو بھی پوری کائنات کا خدا مانیں یا کم از کم موسیٰ کو ہی یسوع کی طرح خدا مانیں، جو کہ مسیحیوں کے لیے کبھی بھی ممکن نہیں۔

---

[25] عہد نامہ جدید، افسیوں، باب4، آیت 6،5

جدیدیت: مصنف: محمد حسن عسکری(1919تا1978ء)

محمد یاسر مشتاق

تعارفِ مصنف:

صفدر رشید کے شمس الرحمن فاروقی سے کیے گئے مباحثے سے اقتباس (ایک اخباری آرٹیکل)

"میں محمد حسن عسکری کو اردو کا سب سے بڑا نقاد سمجھتا ہوں صرف آج کے زمانے کا نہیں بلکہ جب سے جدید تنقید اُردو میں شروع ہوئی، یعنی انیسویں صدی کے اواخر سے، اُس وقت سے لے کر اب تک کوئی نقاد سامنے نہیں آیا، جسے محمد حسن عسکری صاحب کا ہم پلہ کہہ سکیں، بہتر و برتر کہنا تو دور کی بات ہے۔ عسکری صاحب کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور وہ نئی تحریروں سے بروقت واقف رہتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ وہ اپنے مطالعے کو تخلیقی اور علمی طور پر بروے کار لانے میں ہمیشہ کامیاب رہتے تھے۔ ان کی تنقید میں مغربی یا مشرقی مصنفوں یا ان کی کتابوں کا ذکر ہمیشہ منضبط اور منسلک انداز میں ہوتا تھا۔ وہ صرف ناموں کی قطار قائم نہیں کرتے تھے، بلکہ ہر تصنیف، ہر نظامِ فکر کے مضمرات، امکانات اور ہمارے ادب سے اس کے رشتوں سے پوری طرح باخبر ہو کر بات کرتے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی نثر غیر معمولی طور پر رواں، شگُفتہ اور واضح تھی۔ وہ باریک سے باریک بات کو چھوٹے چھوٹے لفظوں میں بے حد روشن کر کے بیان کرتے تھے۔ اس میدان میں مجھے ان کا ثانی برٹرینڈ رسل کے سوا کوئی نہیں نظر آیا۔ "

دینی مدارس کے طلباء کے لیے

ڈاکٹر محمد اجمل صاحب پیشِ لفظ میں لکھتے ہیں کہ عسکری صاحب مرحوم نے یہ دونوں مختصر کتابیں ان لوگوں (مدارس کے طلباء) کے لیے لکھی ہیں جو دینی تعلیم و تعلم میں اس قدر منہمک ہیں کہ انہیں مغرب کی علمی تحریکوں کے مطالعے کا موقع نہیں ملتا۔ مطالعے کی اس کمی کی وجہ سے وہ دینی معاملات میں مغرب زدہ ذہن کے ساتھ مناظرے یا مباحثے میں ان کے سوالوں یا اعتراضات کا صحیح جواب نہیں دے سکتے۔ مغرب کی تحریکوں میں دین کے متعلق جو غلطیاں پنپ رہی ہیں عسکری صاحب نے اِن کتابوں میں اُن کا ازالہ جس جامعیت و سادگی کے ساتھ کیا ہے اس کی مثال اُردو لٹریچر میں نہیں ملتی۔

تلخیص اور تبصرہ؛

جب تفہیم مغرب کی بات کی جاتی ہے تو اس کے لیے عموماً یورپ کی جدید و قدیم تاریخ کے مطالعہ کو ناگزیر سمجھا جاتا ہے کیونکہ انسانی معاشروں میں جو بھی افکار و نظریات یا تحریکیں وجود پذیر ہوتی ہیں وہ تہذیب و تمدن اور فکرِ انسانی کے ارتقاء کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ نشاۃ ثانیہ میں مغرب نے جن باتوں کو ترجیحی طور پر دیکھا ان میں سے یونانی اور رومی فکر و فلسفہ سے استفادہ بھی تھا چنانچہ یونانی اور رومی فکر و فلسفہ کی گمراہیوں کا جدید مغربی فکر میں دَر آنا اس منہج کا لازمی نتیجہ تھا۔

حسن عسکری صاحب نے کتاب کے پہلے حصے میں مغربی ذہن کے فکری ارتقاء کے مختلف ادوار (یونانی دور، رومی دور، ازمنہ وسطی، عیسوی دور، نشاۃ ثانیہ اور اس میں ریڑھ کی ہڈی کا کردار ادا کرنے والی مختلف تحاریک اور آخر میں انیسویں و بیسویں صدی عیسوی) کا تعارف اور ان میں پائے جانے والے گمراہیوں کے اسباب کو موضوع سخن بنایا ہے۔

جدید مغربی فکر پر یونانی فکر و فلسفہ کے اثرات

1) مصنف نے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ افلاطون نے صفائے نفس ہی کو سب سے بڑی چیز سمجھا اور صفائے قلب تک نہ پہنچ سکا اسی لئے گمراہ ہوا۔ اس رُجحان کو روم کے فلسفیوں نے اور زیادہ تقویت پہنچائی۔ یہی خامی انیسویں صدی میں اخلاقیات کی پرستش کی شکل میں نمودار ہوئی۔
2) یونانی ہر مسئلے کو انسانی نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی تھے چنانچہ جب پندرہویں اور سولہویں صدی میں یورپ والوں نے یونانی فلسفے پر زور دینا شروع کیا تو اس کا نام ہی انسانیت پرستی (Humanism) قرار پایا۔

جدید مغربی فکر پر رومی فکر و فلسفہ کے اثرات

1) رومی لوگوں کی توجہ دنیاوی امور پر زیادہ تھی یہ لوگ سلطنت قائم کرنے اور نظم و نسق ٹھیک رکھنے کے ماہر تھے۔ ان کی ذہنی طاقت زیادہ تر قانون سازی اور تنظیمی ادارے بنانے میں صرف ہوتی تھی۔ مغرب کے ذہن پر رومی اثر اتنا شدید ہے کہ جب عیسائیت یورپ میں پہنچی تو اس نے بھی ایک ادارے یعنی کلیسا کی شکل اختیار کر لی۔ اس کے بغیر یورپ میں عیسائیت کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔
2) رومی لوگوں کا اصلی خدا تھا وطن یا قوم۔ فرد سے مطالبہ کیا جاتا تھا کہ وہ اپنی ہر چیز قوم، وطن یا سلطنت کے لیے قربان کر دے اور اس سانچے میں ڈھل جائے جو معاشرے نے اس کے لیے بنایا ہے یہی وہ بیج ہے جو آگے چل کر مغرب میں قوم پرستی اور معاشرہ پرستی کی شکل میں بار آور ہوا۔

عیسوی دور اور جدیدیت

ازمنہ وسطی (پانچویں صدی سے پندرہویں صدی تک) عیسوی دور میں ایسی کیا کمزوریاں تھیں جن کی وجہ سے جدیدیت بڑی آسانی سے عیسائیت پر غالب آگئی، گمراہیاں بڑھتی گئیں اور مغرب کا ذہن مسخ ہوتا چلا گیا۔

1) عیسائیت دنیا کا واحد مذہب ہے جس میں دینی رہنماؤں کی تنظیم حکومت کے انتظامی شعبوں کی طرح کی گئی تھی۔ روم کا کلیسا قائم ہی رومی سلطنت کے نمونے پر ہوا تھا۔ جس طرح یہ ناممکن ہے کہ حکومت کے محکموں میں تھوڑی بہت خرابیاں پیدا نہ ہوں، اسی طرح کلیسا کے عہدیداروں میں بھی خرابیاں آگئیں۔ پہلے تو لوگوں نے اصلاح کا مطالبہ کیا۔ یہ ایک طرح کی سیاسی بحث تھی لیکن پھر اعتقادات میں بھی تبدیلیاں ہوئیں اور پروٹسٹنٹ مذہب نمودار ہوا جو دراصل جدیدیت کی بنیاد ہے۔

2) پوپ اور بادشاہ کے درمیان اقتدار کے جھگڑے ہونے لگے تو یورپ کے بہت سے بادشاہوں نے پروٹسٹنٹ تحریک کی حمایت کی۔ اس سیاسی کشمکش نے کلیسا کو کمزور کر دیا۔ پروٹسٹنٹ ملکوں میں تو کلیسا بادشاہوں کا غلام بن گیا۔

3) یونانی فلسفے کی طرح ازمنہ وسطی کی الہیات بھی وجود کی منزل سے آگے نہیں جا سکی یعنی ان مفکروں کو مکمل تنزیہہ کبھی حاصل نہیں ہو سکی۔ اسی لیے وہ تنزیہہ اور تشبیہ کے درمیان امتیاز قائم نہیں کر سکے تشبیہ سے گر کر فطرت پرستی میں پڑ جانا بالکل آسان ہے جو آگے چل کر ہوا بھی۔

نشاۃ ثانیہ: جدیدیت کا آغاز

عام طور سے سے یورپ میں مشہور ہے کہ نئی دنیا یعنی جدیدیت کا آغاز 1453ء سے ہوتا ہے کہ جب ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کیا اور یونانی عالم اپنی کتابیں لے کر وہاں سے نکلے اور سارے یورپ میں پھیل گئے۔ انہوں نے یونانی علوم اہل یورپ کو پڑھائے۔ اس دور کو نشاۃ ثانیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یونان اور روم کے زوال کے بعد یورپ کا ذہن گویا مر گیا تھا اور ہزار سال تک مدفون رہا۔ پندرہویں صدی میں جب یونانی علوم کا پرچار ہوا تو مغرب کا ذہن دوبارہ پیدا ہوا۔

جبکہ حسن عسکری صاحب یونانی و رومی علوم کے ہزار سال تک مدفون رہنے کو سراسر غلط قرار دیتے ہیں ان کے مطابق یونانی علوم ازمنہ وسطیٰ میں بھی رائج تھے مگر انہیں ثانوی حیثیت دی جاتی تھی اور دینی علوم کو ان پر اولیت و فوقیت حاصل تھی۔

اس دور کی چند خصوصیات

1) یونانی علوم کو دینی علوم پر ترجیح دینا۔
2) چونکہ عوام مذہبی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اس لیے عموماً خدا کے وجود کا انکار نہیں کیا گیا لیکن خدا پر ایمان محض ایک رسمی چیز بن گیا۔
3) سب سے عقل مند آدمی وہ ہے جو ہر چیز اور ہر خیال کو شک کی نظر سے دیکھتا ہو۔ تشکیک کا یہ فلسفہ موجودہ مغربی ذہن کا لازمی جزو بن گیا ہے۔ جس کا آخری نتیجہ مادی ضروریات اور نفسانی خواہشات کی تسکین کے سوا ہر چیز سے مکمل بے نیازی ہے۔۔

انقلابِ فرانس 1779ء

سائنسی ایجادات واکتشافات کا سلسلہ تو انقلابِ فرانس سے بہت پہلے شروع ہو چکا تھا البتہ اس انقلاب کی صورت میں اہل فرانس یورپ کی وہ اولین قوم ثابت ہوئے جنہوں نے قدیم شاہی نظام اور کلیسا سے بغاوت کر کے جدید نظریات پر ریاست و حکومت کی بنیاد رکھی۔ چونکہ پوری دنیا میں اس وقت بادشاہی نظام قائم تھا تو اس انقلاب کے اثرات شرق و غرب ہر طرف شدت سے محسوس کیے گئے اور آئندہ زمانوں میں مختلف اقوام نے اس انقلاب اور اس کے مفکرین کے افکار و نظریات سے استفادہ کیا۔

انیسویں صدی عیسوی

اس زمانے سے دنیا پر مغرب کا سیاسی اور مادی غلبہ شروع ہوتا ہے۔ اس صدی کے آخر تک سیاسی طور سے یا کم سے کم معاشی طور سے ساری دنیا پر مغرب کی شہنشاہیت قائم ہو گئی تھی۔ یہی دور سائنس کی ترقی اور ریل، تار برقی وغیرہ ایجادات کا ہے جن کی مدد سے مغرب نے دنیا کو فتح کیا اور ذہنی طور سے بھی مرعوب کیا۔

اس دور کے چند خاص نظریات

1) انفرادیت پسندی (individualism)

اس نظریے کا سب سے بڑا نمائندہ انگریز مفکر جان اسٹورٹ مل ہے۔ اس نظریے کے پیچھے مفروضہ یہ ہے کہ معاشرہ خدا کی تخلیق نہیں بلکہ انسان نے اپنے فائدے کے لئے بنایا ہے اس لیے معاشرہ بس افراد کا مجموعہ ہے۔ فرد معاشرے کے لئے نہیں بلکہ معاشرہ فرد کے لئے ہے چنانچہ فرد کو اپنی زندگی میں پوری آزادی حاصل ہونی چاہیے اور معاشرے یا حکومت کا دخل کم سے کم ہونا چاہیے۔۔

نہ صرف نشاۃ ثانیہ کے دور میں، بلکہ پوری جدیدیت کی اصل روح انفرادیت پرستی (individualism)ہے۔ مذہب ہو یا اخلاقیات یا معاشرتی زندگی ہر جگہ حتمی معیار فرد اور اس کے تجربے کو سمجھا گیا ہے۔ گزشتہ پانچ صدیوں میں مغرب نے گمراہی کی جتنی شکلیں پیدا کی ہیں وہ سب اسی انفرادیت پرستی کے بیج سے نکلی ہوئی شاخیں ہیں)

2)مثالیت پسندی (idealism)

اس نظریے کا سب سے بڑا نمائندہ ہیگل ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اصل چیز معاشرہ ہے اور فرد معاشرے کا جزو ہے۔اس نظریے کے حامل فلسفی فرد کو معاشرے کا ایسا تابع کرتے ہیں کہ نہ صرف فرد کے حقوق مسخ ہو جاتے ہیں بلکہ فرد کا الگ وجود بھی نہیں رہتا۔۔

3)تاریخ پرستی (Historicism)

اس سے مراد یہ ہے کہ مذہبی عقیدہ واصول ہو یا فلسفیانہ خیال یا کوئی اور چیز،اس کے صحیح یا غلط ہونے پر غور نہ کیا جائے بلکہ اس کی تاریخ پر تحقیق کی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ کس زمانے میں اس کی نوعیت اور حیثیت کیا رہی ہے۔ مذہب سے لوگوں کو برگشتہ کرنے اور مذہب سے بے اعتنائی پیدا کرنے میں یہ حربہ بہت کار گر رہا ہے۔اسلام کے خلاف مستشرقین جو کچھ کرتے رہے ہیں اس میں ان کا طریقہ کار عموما یہی رہا ہے۔۔(گزشتہ دنوں ایک پوسٹ نظروں سے گزری جس میں اسی تاریخ پرستی کا مظاہرہ کیا گیا تھا بادی النظر میں وہ تحریر اسلامی عقائد کو مجوسی عقائد کا چربہ ثابت کر رہی تھی نعوذ باللہ۔اس طرح کی چیزوں سے عوام الناس تشکیک کا شکار ہوتے ہیں)

بیسویں صدی عیسوی

یہ دور بہت پیچیدہ اور نہایت اہم ہے۔ اہم تو اس طرح ہے کہ اس زمانے میں سائنسی ایجادات واکتشافات کا ایک طویل سلسلہ رہا جس نے انسانی زندگی میں انقلاب برپا کر کے رکھ دیا

جبکہ پیچیدہ اس لیے ہے کہ یہ دور نہ تو محض عقل جزوی کا دور ہے،نہ محض سائنس کا،نہ محض اشتراکیت کا،نہ محض بے دینی کا،اس دور کی حقیقت یہ ہے کہ سارے رجحانات اور سارے افکار اپنے تضاد کے باوجود بیک وقت موجود ہیں،اور ان کے اندر کسی قسم کی درجہ بندی نہیں ہے، بلکہ سب کو ایک ہی سطح پر عمل کرنے کی آزادی ہے، عموماً ایک ہی شخص کے ذہن میں دو بلکل متضاد رجحان کام کرتے رہتے ہیں۔ اسے کبھی ایک طرف لے جاتے ہیں کبھی دوسری طرف۔ خود ہمارے یہاں یہ حال ہو گیا ہے کہ علماء گمراہی کی ایک شکل کا مقابلہ کر کے اسے دباتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ دوسری شکل نمودار ہو جاتی ہے پھر تیسری پھر چوتھی شکل یوں گمراہیوں کا یہ نہ تھمنے والا سلسلہ جاری وساری رہتا ہے۔۔

مصنف نے بر صغیر کے متجددین کی فکر پر جدیدیت کی مختلف تحریکوں (عقلیت پرستی، انفرادیت پرستی، فطرت پرستی اور تحریک اصلاح کلیسا) کے اثرات کو جس پسِ منظر کے ساتھ بیان کیا ہے اس سے متجددین کا بطلان اظہر من الشمس ہو جاتا ہے اس پر مستزاد یہ کہ مصنف موصوف اس مقام پر کسی مصلحت کا شکار ہوئے بغیر بر صغیر کے ان متجددین کا ذکر بڑے ہی قابلِ رحم انداز میں کرتے ہیں۔ گویا محمد حسن عسکری صاحب متجددین کی غلط فہمی کے حوالے سے مکمل شرح صدر رکھتے ہیں۔۔

کتاب کے دوسرے حصے میں مصنف نے اختصار اور جامعیت کے ساتھ 150 کے قریب ان مغربی تصورات کی فہرست مرتب کی ہے کہ جن سے دین کے بارے میں غلط فہمیاں اور گمراہیاں پیدا ہوتی ہیں۔۔

چند گمراہیاں حسبِ ذیل ہیں

1) یہ بات نہ سمجھنا کہ مذہب کے تین لازمی اجزاء ہیں۔ عقائد، عبادات اور اخلاقیات۔ اور ان اجزاء کی اہمیت بھی اسی ترتیب سے ہے۔۔
2) یہ سمجھنا کہ عقائد میں وقتاً فوقتاً تبدیلی ممکن ہے۔۔
3) معجزے اور کرامت کا انکار یا عقلی تاویل یعنی جو حقائق فطرت سے اوپر ہیں انھیں فطری بنانے کی کوشش، اور فوق الفطرت حقائق کے بارے میں فطرت کے اصول استعمال کرنا۔۔
4) سائنس اور دین میں اس طرح مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کہ دین سائنسی نظریوں کا تابع ہو جائے۔ دین کی بجائے سائنس کو حتمی معیار بنانا۔۔
5) بیعت اور تصوف کے سلاسل کو دین سے خارج قرار دینا۔ انگریزوں نے مدارس میں جو تھیوسوفیکل سوسائٹی قائم کرائی تھی اس کے بنیادی مقاصد میں سے یہ بھی تھا کہ لوگوں کو یقین دلایا جائے کہ روحانی مدارج طے کرنے کے لیے بیعت کی ضرورت نہیں۔۔
6) جو نقائص ازمنہ وسطی کے پادریوں سے ایک زمانے میں منسوب کیے جاتے تھے انہیں علماء کی طرف منتقل کرنا۔
7) یہ دعویٰ کرنا کہ دین سیدھی سادی چیز ہے اور علماء نے اسے پیچیدہ بنا دیا ہے۔
8) اس بات سے قطعی بے خبری کہ اسلام کے دینی علوم کے مماثل علومِ مغرب میں موجود نہیں۔ دینی علوم کو مغربی علوم خصوصاً جدید علوم کے دائرے میں بند کرنے کی سعی۔

9) یہ نظریہ کہ خالص علم کوئی چیز نہیں، بلکہ علم صرف وہ ہے جس کے ذریعے کوئی مادی چیز بنائی جاسکے۔ یعنی علم کو صرف ایجادات کا ذریعہ سمجھنا (ماضی قریب میں ایک معروف سیاسی شخص کا بھرے مجمعے میں مدراس کو جہالت کی فیکٹریاں قرار دینا اسی فکر کا نتیجہ تھا

10) انفرادیت پرستی (individualism) انفرادیت پرستی کا زور اس کے دو پہلو ہیں

ایک تو ہر فرد کو دین کے معاملے میں رائے دینے کا حقدار سمجھنا اور استعداد کے سوال کو ناقابلِ توجہ خیال کرنا۔ یہ تو جمہوریت اور مساوات کے معاملے میں غلو ہے اور اسی کے ماتحت تفسیر بالرائے کا حق مانگا جاتا ہے۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ کہ علومِ دین کے بڑے بڑے آئمہ کو محض افراد سمجھنا اور انہیں صرف اتنی ہی اہمیت دینا جتنی کسی عام فرد کو دی جاسکتی ہے اور اس طرح انہیں سند ماننے سے انکار کرنا۔

11) مذہب کو صرف ایک معاشرتی ادارہ سمجھتے ہوئے عمرانیات اور اجتماعیات کی رُو سے مذہب کا مطالعہ کرنا (جیسا کہ کچھ عرصہ قبل اُردو بازار سے شائع ہونے والی 11th کلاس کی ایک نصابی کتاب میں اسی فکر پر چلتے ہوئے "عورت کے پردے" اور "سود" کو بنیاد بنا کر مذہب کو معاشرتی ترقی میں رکاوٹ قرار دیا گیا۔ بعدازاں قانونی چارہ جوئی کے نتیجے میں حکومت کی طرف سے اس پبلیشر پر پابندی عائد کی گئی محترم کاشف رضا صاحب کا اس قانونی کارروائی میں اہم کردار رہا)

12) انسانی وحدت کا یہ تصور کہ سب انسانوں کی مادی ضروریات ایک سی ہیں اس لیے ان کا ذہن بھی ایک جیسا ہونا چاہیے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ مغرب نے مادی ضروریات پورا کرنے کا سب سے زیادہ سامان فراہم کیا ہے لہذا سب کو مغربی اقدار قبول کرنی چاہئیں۔۔

خلاصہ کلام؛

برصغیر پاک وہند میں جس وقت برطانیہ کی حکومت تھی اس وقت برطانیہ میں ہونے والی سیاسی، سماجی، تعلیمی اور معاشی تبدیلیوں کے اثرات برصغیر میں واضح طور پر محسوس کیے جاتے تھے۔

فی زمانہ اگرچہ یہاں برطانیہ کی حکومت نہیں ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد سے یورپ میں جو سائنس و ٹیکنالوجی اور دیگر میادینِ زندگی میں انقلاب برپا ہوا دنیا کا کوئی خطہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ نشاۃ ثانیہ کے بعد کی صدیاں سائنسی ترقی کا زمانہ ہے جس میں مذہب مخالف الحادی فکر انسانی سائے کی طرح ساتھ ساتھ چلتی ہے۔

جدید سائنسی نظریات اور سیاسیات کا الحادی فکر کے ساتھ کچھ ایسا چولی دامن کا ساتھ ہوا کہ ثانی الذکر دنیا بھر میں اول الذکر کے ساتھ کاندھے سے کاندھا ملا کر چلتے ہوئے دیکھائی دیتی ہے۔

اگر آپ الحادی فکر یا مغربیت کی تفہیم چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ افکار مغرب، تفہیم مغرب جیسے موضوعات کا مطالعہ کریں اس کے بعد ہی آپ آج کے مسلم نوجوان کی نفسیات کا تحلیلی تجزیہ کر کے اسے مطمئن کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔ الحادی فکر کی تفہیم اور اسے اسلامی نقطۂ نظر سے کاؤنٹر کرنے کے لیے محمد حسن عسکری صاحب کی اس کتاب کا مطالعہ انتہائی مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

ہندو دھرم: ایک جائزہ

محمد عثمان علی کاشمیری

ہندومت کسی ایک مذہب کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ مختلف و متضاد عقائد ورسوم، رجحانات، تصورات اور توہمات کے مجموعہ کا نام ہے۔ ہندومت قبل مسیح سے چلا آنے والا دنیا کا قدیم ترین مذہب ہے۔ ہندومت کا وجود دراصل اس کے مقدس کتب ویدوں کی تدوین سے بہت پرانا ہے، بعض مورخین کے ہاں ہندومت کی جڑیں بابلی اور مصری تہذیبوں سے ملتی ہے، چنانچہ ہندومت بھی قدرتی مظاہر سے لیکر روح پرستی حیوان پرستی شجر حجر پرستی، آتش پرستی اور ہوا پرستی میں مبتلا رہی.

"اِس مذہب کی مقدس تحریروں کا سلسلہ 1400 سے 1500 قبل مسیح تک پھیلا ہوا ہے۔"[26]

یہ سب سے زیادہ متنوع اور پیچیدہ مذاہب میں سے ایک ہے جس کے لاکھوں دیوی دیوتا ہیں۔ یہ کسی ایک شخص کا قائم کردہ یا لایا ہوا نہیں ہے، بلکہ مختلف جماعتوں کے مختلف نظریات کا ایک ایسا مرکب ہے، جو صدیوں میں جا کر تیار ہوا ہے۔

"دراصل یہ مذہب ایک قوم کا مذہب ہے جس قوم کا نام آریا ہے۔ اس مذہب میں معبود کو ایشور کہا جاتا ہے۔ یہ قوم دنیا کے کسی نامعلوم علاقے سے گھومتی ہوئی ہندوستان پہنچی تو ان کا مذہب ان کے قوم کی بجائے ہندوستان کے علاقے کی طرف منسوب ہو کر ہندومت کہلانے لگا۔ ہندی میں مذہب کو دھرم کہا جاتا ہے۔"[27]

"دنیا میں جتنے بھی بڑے اور قابل ذکر مذاہب ہیں ان کا کوئی نہ کوئی بانی ضرور ہے اور وہ کسی شخصیت کی طرف انتساب کرتے رہے ہیں. لیکن ہندو مذہب ایک ایسا مذہب ہے جس کا بانی نامعلوم ہے۔ اور کوئی ہندو بھی اس کے متعلق دعویٰ نہیں کر سکتا کہ مجھے اپنے مذہب کا بانی معلوم ہے۔ گو کہ ہندوؤں کی تاریخی کتابوں میں بعض مذہبی شخصیات کا حوالہ ملتا ہے۔ لیکن ان میں سے ایک شخصیت بھی ایسی نہیں جس کی تعلیمات بعد کی ہندو فکر کا سرچشمہ بنی ہوں اور کامل یقین کے ساتھ کسی بھی شخص کو ہندو مذہب کا موسس اور بانی قرار نہیں دیا جا سکتا۔"[28]

---

[26] صدیقی، مظہر الدین،، مذاہب عالم، ص: 5، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، جون 2002ء

[27] تدریس العقائد، صفحہ: 159، پیر سائیں غلام رسول قاسمی

[28] محمد یوسف خان تقابل ادیان، ص: 46، بیت العلوم انارکلی لاہور

● ہندو کی تعریف:

ہندومت کے پیروکار اِس مذہب کو سناتن دھرم کا نام دیتے ہیں جو کہ سنسکرت کے الفاظ ہیں، ان کا مطلب ہے "لازوال قانون' مندر میں جانے والا بھی ہندو ہے اور وہ بھی ہندو ہے جس کے جانے سے مندر ناپاک ہو جاتا ہے۔ وید کا سننے والا بھی ہندو ہے اور وہ بھی ہندو ہے جس کے متعلق حکم ہے کہ اگر وید سن لے تو اس کے کانوں میں پگلا ہوا سیسہ ڈالا جائے۔ بلکہ خدا کا منکر بھی ہندو ہے۔ مذہب کے لیئے کسی مرکزی عقیدہ کا ہونا ضروری ہے مگر ہندوؤں کا کوئی مرکزی عقیدہ ہی نہیں ہے۔ ہندومت کے لیئے "دھرم" کا لفظ بھی بولا جاتا ہے۔ آریا دھرم اور ویدک دھرم کے الفاظ کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔

مہاتما گاندھی لکھتے ہیں کہ

> "اگر مجھے ہندو دھرم کی تعریف کو کہا جائے تو میں صرف اتنا کہوں گا کہ پرامن طریقوں سے حق کی جستجو کا نام ہندومت ہے۔ آدمی خدا کی مانے بغیر بھی اپنے آپ کو ہندو کہہ سکتا ہے۔ ہندومت حق کی انتھک جستجو کا نام ہے۔ ہندومت حق اور صداقت کا مذہب ہے۔ حق ہمارا خدا ہے۔ اور ہمارے ہاں خدا سے انکار کی مثالیں موجود ہیں لیکن حق سے انکار کی کوئی مثال نہیں۔"[29]

چودھویں صدی ہجری کے سوامی دیانند نے خود کو ہندو کہلانے کی بجائے آریا کہلانے پر زور دیا ہے اور دھرم کو آریا سماج کا جدید نام دیا ہے۔"[30]

ان کی مذہبی کتاب کا نام وید ہے جس کے معنی علم کے ہیں۔ آریوں کی مذہبی کتابوں کی تعداد چار ہیں جو چار ویدوں کے نام سے مشہور ہیں۔ "ہندو دھرم کے بانی کا کچھ آتا پتا نہیں ملتا۔ البتہ آریا فاتحین کے کہنے پر شاعروں نے سنسکرت میں اشلوک لکھے یعنی اشعار، نظم اور دوہڑے۔ اشعار کے یہ مجموعے وید کہلائے۔"[31]

ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ یہ خدا کی طرف سے الہام شدہ کتابیں ہیں۔ "ویدوں کو 1200 ق م کے بعد کئی صدیوں تک مرتب کیا جاتا رہا۔ ویدوں کے علم کی بنیاد دیوتا عظیم (بھگوان) اور ہندو رشیوں (مذہبی رہنما) کے درمیان بلاواسطہ رابطے میں آنے والے وجود کا نام ہے۔ وید چار ہیں۔"[32]

[1] رِگ وید (ऋग्वेद)

---

[29] نہرو، جواہر لعل، تلاشِ ہند، ص: 82، ادارہ تخلیقات لاہور

[30] تدریس العقائد، صفحہ 160، پیر سائیں غلام رسول قاسمی

[31] تدریس العقائد، صفحہ 160، پیر سائیں غلام رسول قاسمی

[32] رابرٹ وین ڈی ویئر، ہندومت، ص، 11، بک ہوم، 2007

[2]سام وید(सामवेद)

[3]یجُر وید(यजुर्वेद)

[4]اتھر واوید(अथर्ववेद)

"ایک ایک وید میں بے شمار منتر ہیں۔ ویدوں کے مصنف اپنی پسند کے دیوتا کی شان میں جو شاعری کرتے ہیں اسے منتر کہا جاتا ہے۔ وید کے لکھنے والے یا شرح کرنے والے کو رشی یا برہمن کہا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے تارک دنیا لوگوں لو سادھو کہا جاتا ہے، سوامی اسی سادھو کا جدید نام ہے"[33]

شروع شروع میں وید صرف ایک تھی پھر چار ہوئیں اور پھر چار سے بے شمار ہوئیں۔ "ہندو اپنی مذہبی کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ شرتی یعنی کانوں سے سنا جائے، جسے مکاشفہ کہنا چاہیئے۔ اور سمرتی یعنی باپ دادا کی طرف سے پہنچا۔ جسے حدیث یا روایت کہنا چاہیئے۔"[34]

نئی برہمنیت دور میں تعلیمات مثلاً ہندوؤں کے مراسم وعبادات اور سماجی اطوار وعادات کو باقاعدہ قانونی شکل میں مدون کرنے کا کام سرانجام دیا گیا۔ یہ کتب دھرم شاستر کہلاتی ہیں۔ ان میں منو کی دھرم شاستر سب سے مشہور ہے۔

● ہندوؤں کا تصور خدا:

ہندو دھرم میں بے شمار دیوی اور دیوتا ہیں، جن میں تین بڑے ہیں جن کو تریمورتی کہا جاتا ہے۔ ترمورتی مطلب ہندوؤں کا عقیدہ تثلیث یعنی تین دیوتا مثلاً برہما، وشنو اور شیو پر مشتمل ہیں۔

- برہما ہندوؤں کے نزدیک خالق اور قائم بالذات ہے۔ برہما غیر شخصی کائنات کا وہ اعلیٰ ترین اور ناقابل اصول ہے جس کی رو سے ہر چیز کا ظہور ہوا یعنی برہما نے عالم کو عدم سے پیدا کیا۔ کائنات سے لے کر ایٹم تک ہر شے یا وجود کی ذات کا اصل جوہر خود برہما ہے۔ لیکن اس کی حیثیت ایک فلسفیانہ تصور سے زیادہ نہیں۔ گپتا عہد سے برہما کی پرستش کم ہونے لگی۔ اب ہندوؤں میں شاید ہی کوئی برہما کی پوجا کرتا ہو۔ وہ صرف کائنات کے لئے نقطہ آغاز کا کام دیتا ہے۔
- وشنو ربوبیت کا فریضہ انجام دیتا ہے (یعنی پالنے والا)۔ ہندو کے نزدیک وشنو اپنی رحمت وشفقت سے کائنات کو قائم رکھے ہوئے ہے لہذا اسے پالن ہار کا درجہ حاصل ہے۔ وہ اشیاء کی بقا اور حفاظت کا ذمہ دار ہے، ویدوں اور اپنیشدوں میں وشنو کو نارائن کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ کائنات کو برائیوں سے بچانے کے لیے مختلف

---

[33] تدریس العقائد، صفحہ 160، پیر سائیں غلام رسول قاسمی

[34] مزاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص: 111، غلام رسول اینڈ سنز لاہور

مواقع پر اس نے نو بار جنم لیا ہے رام اور کرشن وشنو ہی کے اوتار ہیں۔ کرشن کو رادھا سے جب محبت ہوئی تو ہندو اُس محبت کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے ہولی کا تہوار مناتے ہیں۔ ہندومت میں وشنو کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ وشنو کا دسواں جنم کلکی اوتار کی صورت میں ہوا۔ کلکی اوتار سے متعلق "پران نامی" کتابوں میں کچھ دلچسپ اشارے ملتے ہیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ "اس چیز کا پرانے لوگوں کی کتابوں میں ذکر ہے"

- میں یہ نہیں جانتا کہ اس کا پران سے کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ بہر حال دس پران ہیں۔ ایک میں یہ ذکر آیا ہے۔ کہ آخری زمانے میں ایک شخص ریگستان کے علاقے میں پیدا ہوگا۔ اس کی ماں کا نام قابل اعتماد اور باپ کا نام اللہ کا غلام ہوگا۔ اس کا شمال کی جانب سے ظہور ہوگا۔ وہ اپنے وطن کو متعدد بار دس ہزار آدمیوں کی مدد سے فتح کرے گا۔ جنگ میں اس کی رتھ کو اونٹ کھینچیں گے اور وہ اونٹ اس قدر تیز رفتار ہوں گے کہ آسمان تک پہنچ جائیں گے۔ اس کتاب میں جو مذکور الفاظ ہمیں ملتے ہیں۔ ان سے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ مستنبط کیا جاسکے "[35]
- شیو فنا اور موت کا دیوتا ہے۔ شیو وشنو کی ضد ہے۔ وہ زندگی کی پرانی شکلوں کو مٹاتا اور نئی صورتیں پیدا کرتا ہے۔ وہ تعمیر و تخریب کی تمام قوتوں کا مالک اور فطرت کی ساری کارروائیوں کا نگران کار ہے۔ ''شو پُران'' میں شو کے 108 نام تحریر ہیں گنیش، بھولے ناتھ اور کالی دراصل شیو ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ شو لنگ، شیش ناگ، تیسری آنکھ اور رودر کش مالا شیو سے منسوب ہیں۔ یہ بھگوان کی جبروتی اور قہاری صفات سے منسوب ہے اور یوم آخرت کا مالک ہے۔ ہندوستان کے اکثر سنیاسی، فقرا اور درویش اس دیوتا کے پرستار ہیں۔

ہندومت کے اہم فرقے ہیں

اگرچہ یہ دُنیا کا تیسرا بڑا مذہب ہے، لیکن ہندوؤں کی اکثریت بنیادی طور پر بھارت اور نیپال میں ہے۔

1، ویشنومت

یہ فرقہ وشنو کو رب اعلیٰ کائنات کا محافظ اور رزاق مانتا ہے۔ اس کی بیوی لکشمی ہے، جو دولت کی دیوی ہے، وشنو کے ماننے والے لکشنی، گروڈ، مور اور ہنومان کی پرستش بھی کرتے ہیں۔ کائنات کو بچانے اور برائیوں سے بچانے کے لیے مختلف مواقع پر اس نے نو بار جنم لیے۔ اس فرقے کی اہم کتابیں ہری ونش اور وشنو پران ہیں اور یہ بھگتی کو مکتی کو اہم ذریعہ سمجھتا ہے۔

---

[35] حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور، ص: 17؛18، سرو سز بلک کلب لاہور 1985

2، شیو مت

یہ فرقہ شیو کو رب اعلیٰ مانتا ہے اور اسے تخریب و تعمیر کا دیوتا سمجھتا ہے، اسے مہایوگ اور مہادیو بھی کہتے ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ غیر آریائی دیوتا ہے، جس کی پوجا وادی سندھ میں ہوتی تھی۔ اس کی بیوی پاروتی ہے، جو مختلف روپ کی وجہ سے درگا، کالی اور اُما پاروتی کے ناموں سے مشہور ہے۔ اس فرقہ کی اہم کتاب وایو پران ہے۔

3، شکتی مت

یہ فرقہ شکتی کی پوجا کرتا ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ شکتی مونث ہے اور وہ ایک عورت کی حثیت سے تشخیص کی جاسکتی ہے اور وہ نسوانی شکل رب اعلیٰ ہے اور وہ اسے درگا، کالی اور بھوانی کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اسے شیو کی بیوی مانتے ہیں۔ اس فرقہ کی اہم کتابیں تنتر ہے۔ یہ ہری ونش اور مارکنڈیہ پران کو بھی اہمیت دی جاتی ہے۔

4، گنپتی مت

یہ فرقہ گنیش کو رب اعلیٰ مانتا ہے اور اس کو فہم وتدبر کا دیوتا سمجھتا ہے۔ گنیش کو ہاتھی کے سر کے ساتھ دیکھایا جاتا ہے۔

5، سوریا مت

یہ سورج کو دیوتا مانتا ہے اور طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے وقت اس کی پوجا کرتا ہے۔

6، سمارت سوتر

یہ وسیع النظر فرقہ ہے اور ہر دیوتا پر اعتقاد رکھتا ہے اور اپنی خواہش اور ضرورت کے تحت اس کی پوجا کرتا ہے۔

فرقوں کا مشاہدہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہندومت دہریے (ذاتِ خُدا کا انکار کرنے والے)، الحاد پرست (اخلاقیات پر زور دینے والے اور فطرت کے قوانین میں خُدا کی مداخلت کا انکار کرنے والے) اور یہاں تک کہ عدمیت، فنائیت کے قائل بھی ہو سکتے ہیں۔

● ہندومت میں ذات پات کا نظام:

ہندو مذہب میں ذات پات کا طبقاتی نظام مساوات کا تصور ہی الٹ ہے، جس میں ایک طرف برہمن کو سب سے اعلی تصور کیا ہے اور شودر کو سب سے پہنچ جس کا کام سب کی خدمت کرنا ہے۔ اسلام نے ذاتیں اور قبیلے پہچان کے لیے بتائے ہیں، لیکن ہندومت میں اس کا مطلب ہے وہاں اعلیٰ اور ادنی کا معیار ذاتوں کی بدولت ہے۔

"ہندو مذہب میں طبقاتی امتیاز ایک اہم مذہبی حیثیت رکھتا ہے جسے وہ ذات پات کی تقسیم قرار دیتے ہیں۔ سب سے اونچی ذات براہمن ہے، اس کے بعد کھشتری، اس کے بعد ویش اور اس کے بعد شودر"[36]

"برہمن پرتن کے دماغ سے پیدا ہوئے، کشتری اس کے بازوؤں سے ویش اس کی رانوں سے اور پاؤں سے شودر پیدا ہوئے۔"[37]

چونکہ شودر پاوں سے پیدا ہوا اس لیے ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ پہلے تین طبقون کی خدمت گزاری کریں.

احترام برہمن دھرم کا ایک اہم جزو ہے۔ جو شخص برہمن کو دکھ پہنچائے اس کو دوزخ کی سزا کا مستحق گردانا جاتا ہے۔

آبادی کی یہ تقسیم مکمل نہ تھی اور شودروں سے بھی زیادہ پست، نیچ اور ذلیل ذاتیں (ہناجاتیو اور ہتا سپتانی) تھیں۔ جن میں چڑی مار، گھسیارے، رتھ ساز کمھار، جلاہے اور چمڑہ ساز شامل تھے۔ بدھ اور جینوں کی کتابوں میں ان قوموں کو چنڈال اور پکس اقوام بتایا گیا ہے۔ جو نہایت حقیر اور پست سمجھے جاتے تھے۔ ان پر یونانیوں، رومیوں یا عیسائیوں کی طرح ظلم و ستم نہیں کیا جاتا تھا اور نہ ان کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا تھا۔ یہ عموماً گھروں میں کام کرتے تھے۔

● ہندو دھرم کی بنیادی تعلیمات:

ہندو مذہب میں قربانی کی رسم کو "یگیہ" کی رسم بھی کہا جاتا ہے۔ یہ رسم بہت پرانی ہے۔ اس رسم کے تحت نہ صرف جانوروں بلکہ انسانوں کو بھی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے قربان کیا جاتا تھا۔ اس قدیم رسم کے متعلق معروف مورخ اے ایل باشم لکھتے ہیں:

"خفیہ رسوم کی ادائیگی کے موقع پر انسانی قربانی کے لیے لڑکیوں کے اغوا کے واقعات ملتے ہیں ہمیں درگا کے مندر کے متعلق بھی معلوم ہے کہ جہاں روزانہ ایک انسان کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔[38]

گائے کو پوجنا اس دھرم کی اہم تعلیمات میں سے ہے، حتی کہ اس کے پیشاب کو پینا ان کے نزدیک گناہوں کا کفارہ ہے۔

اگر کسی کی اولاد نہ ہو رہی ہو تو ایسا شخص اپنی بیوی کو کسی مرضی کے آدمی سے حاملہ کروا سکتا ہے، اس تعلیم کا نام نیوگ ہے۔

---

[36] تدریس العقائد، صفحہ 161، پیر سائیں غلام رسول قاسمی

[37] Räg Waid, Mundal 10, Sakat 90

[38] Hashim, A.L, Hindustani Tehzib ki Dästän, p. 184

اس مذہب میں ایک اہم عقیدہ تناسخ ہے۔ان کا عقیدہ ہے کہ روحوں کی تعداد محدود ہے، لہذا اس دنیا میں وہی محدود روحیں اپنے اعمال کے مطابق شکلیں اختیار کر کے نئے جنم میں ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔(اسی عقیدے سے تقدیر پرستی کا روگ بھی پیدا ہوا، کیونکہ انسان کی قسمت اس کے گزشتہ جنم کے اعمال سے متعین ہو جاتی ہے اور اس کی اپنی کوشش سے نہیں بدل سکتی)[39]

ہندو دھرم جو کہ ذات پات کی تقسیم میں جکڑا ہوا دھرم ہے جس میں اعلیٰ اور ادنی کا معیار قائم ہے۔شودر ذات کو نیچ خیال کیا جاتا ہے، جس کی جان کی کوئی قدر و قیمت نہیں جیسا کہ "شوور کو قتل کرنے کی صورت میں برہمن یہی عمل چھ ماہ کرے گا۔وہ ایک برہمن کو دس سفید گاہیں اور بیل بھی دے سکتا ہے۔بلی، نیل کنٹھ، مینڈک کتے ،الو اور کوے کو ہلاک کرنے کا کفارہ بھی شودر کے قتل کے کفارہ جیسا ہے۔"[40]

● خلاصہ:

"بت پرستی،ذات پات کی تقسیم، گائے کی پوجا اور پیشاب نوشی اور نیوگ کی تعلیم اس مذہب کو انسانیت کی توہین اور عقل سے فراغت والا مذہب ثابت کر دیا ہے۔اسلام کے برعکس ہندو معاشرہ ذات پات پر مشتمل ہے۔دینی تعلیمات میں اونچی ذات کو نچلی پر برتری حاصل ہے۔جبکہ اسلام رنگ و نسل، قوم یا رتبہ کو عدل و انصاف پر اثر انداز نہیں ہونے دیتا، مثلاً گواہی کو ہی لیا جائے تو ہندومت کے مطابق کوئی بھی گواہ صرف اپنی ذات ہی میں گواہی دینا کا اہل ہے، ذات سے باہر نہیں۔منو دھرم شاستر میں ہے: "عورت کی گواہی عورت کے حق میں، اور برہمن، کھشتری، شودر اور کم ذات کی اپنی اپنی ذات کے حق میں گواہی قبول ہو گی۔"[41]

شرک اور بت پرستی ہمیشہ انسان کو توہم پرست بناتی ہے اور یقین کی بجائے تذبذب کا شکار کرتی ہے۔

لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

ترجمہ: اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔[42]

یہ لوگ شرک کرنے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی رسالت کا انکار کرنے کی وجہ سے گمراہ ٹھرے۔"[43]

---

[39] تدریس العقائد، صفحہ 159؛160، پیر سائیں غلام رسول قاسمی

[40] Mano, Mano Dharm, Chap.11, Salük 132

[41] منو دھرم شاستر، باب، شلوک 68، ص 173

[42] القرآن- سورۃ نمبر 6 الأنعام، آیت نمبر 163

[43] تدریس العقائد، صفحہ 159؛160، پیر سائیں غلام رسول قاسمی

مغربی فکر پر اسلامی فلسفے کا اثر

خواجہ محمد حسنین اویسی

اسلامی فلسفے کی عظمت اور اس کے اثرات کو سمجھنا اس وقت زیادہ ضروری ہو جاتا ہے جب ہم مغربی فکر کی تشکیل کا جائزہ لیتے ہیں۔ جدید مغربی تہذیب کی علمی، فلسفیانہ، اور سائنسی بنیادیں بڑی حد تک اسلامی فلسفے کی مرہونِ منت ہیں۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اسلامی فکر نے مغرب کے علمی ارتقا میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

اسلامی فلسفہ دراصل وحی اور عقل کی ہم آہنگی سے تشکیل پایا ہے۔

سورہ آل عمران کی آیت نمبر 190 کا مطالبہ ہے کہ انسان کائنات میں غور و فکر کرے۔ مسلم مفکرین نے یونانی فلسفے کو اپنی اسلامی روایات کے ساتھ ہم آہنگ کیا اور اس میں نمایاں اضافے کیے۔

جارج سارٹن اپنی کتاب Introduction to the History of Science میں لکھتا ہے:

قرونِ وسطیٰ میں مسلمانوں نے علوم و فنون کے میدان میں جو خدمات انجام دیں، وہ یورپ کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہیں۔[44]

جب یورپ تاریکی کے دور سے گزر رہا تھا، مسلمان دنیا میں علم کا چراغ روشن کیے ہوئے تھے۔ بغداد، دمشق اور قرطبہ جیسے مراکز میں علوم و فنون کی ترقی عروج پر تھی۔ ابنِ سینا، فارابی اور ابنِ رشد جیسے مسلم مفکرین نے ارسطو اور افلاطون کے نظریات کو نہ صرف محفوظ کیا بلکہ انہیں مزید وسعت دی۔

مشہور مغربی مؤرخ برٹرینڈ رسل نے اپنی کتاب A History of Western Philosophy میں اعتراف کیا ہے کہ:

"Through the Arabs, the philosophy of Aristotle became known to the Christian West. Their interpretations were often original and profound,

---

([44] Introduction to the History of Science, Volume 1, Page 3

especially those of Avicenna and Averroes, whose influence on scholastic philosophy was very great[45]۔"

یعنی مسلمان فلاسفہ نے یونانی فلسفے کو اس وقت محفوظ رکھا، جب مغرب اس سے بے خبر تھا اور ان کے کام کے بغیر جدید فلسفہ ممکن نہ ہوتا۔

منطق اور عقل پر زور

اسلامی فلسفہ (خاص طور پر ابنِ رشد کے نظریات) نے یورپ میں عقلیت پسندی کو فروغ دیا۔ ابن رشد کے خیالات نے مغربی مفکرین جیسے تھامس ایکویناس پر گہرا اثر ڈالا۔ ایرن نولز نے اپنی تحقیق Aristotelian Philosophy in Medieval Europe میں لکھا ہے کہ ابنِ رشد کا ارسطو پر تبصرہ مغربی فلسفے کی بنیاد بن گیا۔

یونانی علوم کی حفاظت اور ترقی

مسلمانوں نے یونانی علوم کو نہ صرف محفوظ کیا بلکہ ان میں نئی تحقیق شامل کی۔ الخوارزمی کی الجبرا، ابن الہیثم کی بصریات اور رازی کی طب نے یورپ کو علم کے نئے دروازے کھول دیے۔

ول ڈیورانٹ اپنی کتاب The Story of Civilization میں اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"For five centuries, from 700 to 1200, Islam led the world in power, order, and extent of government, in refinement of manners, in standards of living, in human legislation and religious tolerance, in literature, scholarship, science, medicine, and philosophy[46]".

ترجمہ:۔

مسلمانوں نے یونانی علوم کو ایک نئی روح دی اور وہ علم یورپ تک پہنچایا جو بعد میں اس کی نشاۃ ثانیہ کا محرک بنا۔ سائنسی اصولوں کی بنیاد اسلامی فلسفے نے تجرباتی سائنس کی بنیاد رکھی، جو بعد میں مغرب کی سائنسی ترقی کا محور بنی۔ ابن الہیثم کی "کتاب المناظر" کو مغربی سائنس دانوں نے بصریات کا سنگِ میل تسلیم کیا۔

---

[45])A History of Western Philosophy, Part II, Chapter 9

[46] The Story of Civilization, Volume 4: The Age of Faith, Page 341

اخلاقی فلسفے کا اثر

مسلمان فلاسفہ نے فلسفے کو محض ایک علمی مشق نہیں سمجھا بلکہ اسے اخلاقیات اور عملی زندگی کے لیے ضروری سمجھا۔امام غزالی علیہ الرحمہ کی احیاء العلوم نے اخلاقی فلسفے کی اہمیت پر زور دیا، جو مغربی فکر میں بھی جھلکتی ہے۔

نشاۃ ثانیہ کے دور میں یورپ نے اسلامی فلسفے اور سائنس سے استفادہ کیا۔ مسلم علماء کے کام لاطینی زبان میں ترجمہ کیے گئے اور وہ مغربی یونیورسٹیوں میں پڑھائے گئے۔ مشہور ماہرِ تاریخ رابرٹ بریفالٹ اپنی کتاب The Making of Humanity میں لکھتا ہے:

The debt of our science to the Arabs does not consist in startling discoveries or revolutionary theories. Science owes a great deal more to the Arab culture: it owes its existence[47]".

یورپ نے اسلامی دنیا سے جو علم لیا، وہی اس کی تہذیبی ترقی کی بنیاد بنا۔

آج کے دور میں بھی مغربی اخلاقیات، قانون، اور فلسفے میں اسلامی اثرات واضح ہیں۔ انصاف، مساوات، اور انسانی حقوق جیسے تصورات اسلامی تعلیمات کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتے۔

اسلامی فلسفہ ایک عظیم علمی ورثہ ہے جس نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری دنیا کے فکری راستے روشن کیے۔ مغرب کی فکری اور سائنسی ترقی اسلامی فلسفے کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنا ضروری ہے کہ اسلامی تہذیب کی علمی روایات آج بھی انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

---

[47])The Making of Humanity, Page 202(

سیکولرازم: ایک مفصل تعارف (قسط اول)

محمد انس بندیالوی

سیکولرازم: لغوی معنی ہے "دنیاداری"

اصطلاحی تعریف: دین کو معاشی، سیاسی اور سماجی زندگی سے نکال دیتا۔

چونکہ سب سے پہلے سیکولرازم ہی کو فروغ دیا جاتا ہے اس لئے ہم نے اس کو مقدم کیا، اس کی تعریف ہم پڑھ چکے ہیں کہ دین کو معاشرتی، سیاسی اور سماجی زندگی سے نکال دینا، اب ہم درج ذیل حوالوں سے سیکولرازم پر گفتگو کریں گے۔

(۱) تاریخ

(۲) اھداف و مقاصد

(۳) ذرائع اشاعت

(۴) معاشی نظام

(۵) مسلم معاشرے میں فروغ

(۶) نقصانات و شبہات ے روک تھام کے اقدامات

۱) تاریخ:

سیکولرازم کی تاریخ میں سب سے پہلے حضرت عیسی علیہ السلام کا ذکر اس طرح آتا ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے دین کی تبلیغ کی، پھر آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد آپ کی تعلیمات کو بالکل چھوڑ دیا گیا اور نصف صدی بعد سینٹ پال Saint paul نامی ایک کٹر یہودی نے مذہب عیسائیت کو قبول کیا اور سارے مذہب عیسائیت کو خواب اور مکاشفات کے ذریعے پھیلانے لگا۔

۵۰ عیسوی یعنی حضرت عیسی علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے ۵۰ سال بعد اس نے ایک کانفرنس منعقد کی، جس میں تمام پادریوں کو بلایا اور عیسائی مذہب کی تبلیغ شروع کر دی۔

رومن کیتھولک Roman catholic کا دور تھا اور ان کے بہت پارے شہنشاہ موجود تھے جو عیسائی مذہب بڑھنے نہیں دیتے تھے آخر میں شہنشاہ قسطنطین Constantine نے ۳۱۲ بہ عیسوی میں مذہب عیسائیت کو قبول کیا۔ یہ وہ پہلا مقام تھا جہاں سیکولرازم عملی طور پر آیا کیونکہ اس بادشاہ نے عیسائی مذہب کو قبول کر لیا لیکن جتنے بھی سیاسی اور سماجی معاملات تھے تمام کے تمام اس نے رومی قوانین (Roman law) کے مطابق ہی جاری رکھے اور اس نے عیسائی مذہب کو کلیسا تک ہی محدود رکھا یہی سیکولرازم کی بنیاد ہے اور یہیں پر سب سے پہلے سیکولرازم کا نفاذ ہوا کہ مذہب کو عبادت گاہ تک محدود کر دینا اور سیاسی و سماجی اور معاشرتی زندگی میں اپنی من مانی چلانا۔

اس کے بعد سینٹ او کٹائن Saint Augustien نامی ایک شخص آیا اس نے ایک کتاب لکھی جس میں City of God (خدا کا شہر) اور City of Man (انسان کا شہر) کے نام سے دو حصے بنائے، اسی نے سب سے پہلے سیکولرازم کا تصور کتابوں میں دیا.

City of God کا تصور یہ تھا کہ انسان اور خدا کا رشتہ ایک انفرادی حیثیت رکھتا ہے اور City of Man کا مقصد یہ تھا کہ تمام انسان دنیاوی معاملات میں ایک الگ حیثیت رکھتے ہیں، دونوں کی راہیں الگ کر دیں اور یہ ظاہر کیا کہ cuppler لیونارڈو داونکی Leonardo da vinci کے ساتھ شدید تشدد کیا گیا یہاں تک کہ Bruno کو پانچ سال قید کر کے زندہ جلا دیا گیا، دیگر سائنسدانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے نظریات سے رجوع کریں۔ اس ظلم کی بناء پر یہ مزید دہریے بن گئے نتیجتا مذہب اور سائنس میں بہت بڑا فاصلہ آگیا پھر ان سائنسدانوں اور پروٹیسٹنٹ گروپ نے یہ ٹھان لی کہ ہم عیسائی مذہب کو ٹھکانے لگائیں گے اور انہوں نے اس مقصد کے لئے بہت زیادہ محنت شروع کر دیں۔ ۱۸۵۱ء میں سیکولرازم کی اصطلاح سب سے پہلے برطانوی مصنف George Jacob نے متعارف کروائی اور ۱۸۵۷ میں اسی نے لندن میں سینٹرل سیکولر سوسائٹی Central Secular Society قائم کی اور یوں سیکولر ازم کی باقاعدہ ترویج شروع ہو گئی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بہت زیادہ ظلم و ستم ہونے کی وجہ سے انہوں نے ہر طرح سے مذہب کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی، ان کی یہ ساری کوشش اس اعتبار سے کامیاب ہو گئی کہ عیسائی مذاہب کو انہوں نے قلیل تعداد میں اور کلیسا تک محدود کر دیا۔

(۲) سیکولرازم کے اہداف و مقاصد:-

پہلا مقصد:

امذہب میں شکوک وشبہات پیدا کرتاتاکہ لوگ مذہب سے دور ہو جائیں،اسی طرح سیکولرازم کواپنی حفاظت کے لئے کام کرتاپڑتاہے کہ جابجاعیسائیت اوراسلام کے خلاف بڑے سخت قسم کے حملے کئے جاتے ہیں۔

دوسرا مقصد:

ملحدانہ اورمادہ پرست نظریات کوفروغ دینااورلوگوں کے اندرایسی سوچ پیدا کردیناکہ لوگ مذہب سے بیزار ہو جائیں اور مادہ پرست ہو جائیں یعنی ایک عام شخص کی زندگی کا مقصد کھانا،پینا، کھانااور عیش کرناہی رہ جائے۔

تیسرا مقصد:

مذہب کو حکومت،سیاست،معاشرت اور سماج سے جداکردینایعنی جب بھی کوئی سیاسی سماجی یامعاشی بات آئے توکہاجائے مذہب کودرمیان میں لانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہم خود فیصلہ کرلینگے

چوتھا مقصد:

جمہوریت کو سہارادینا کیونکہ جمہوریت کے ساتھ آسانی سے چل سکتے ہیں ورنہ بادشاہت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں بنتا۔

پانچواں مقصد:

سرمایہ دارانہ نظامCapitalism کو بہت زیادہ فروغ دینا کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں مال ودولت کمانے کے بہت زیادہ مواقع ہوتے ہیں اورانکا مقصد صرف دنیاکمانااوردنیاکوحاصل کرناہی ہے۔

چھٹا مقصد:

ذاتی زندگی میں انسان چاہے تومذہب پر عمل کر سکتاہے لیکن صرف عبادت گاہوں تک محدود ہو کر،ابتدائی طورپر یہ چاہتے ہیں کہ انسان مذہب کواپنے آپ تک محدودرکھے آگے نہ بڑھے اور سیاسی وسماجی معاملات کے اندر مذہب کوداخل کرنے کی اجازت بالکل بھی نہیں دیتے۔

ساتواں مقصد:

بااختیار شخصیات کے ذریعے اپنے نظریات کو ثابت کرنا اب وہ بااثر چاہے حاکم ہو یا چاہے فنکار ہو، غرض کوئی بھی ہو اس کو استعمال کرتے ہیں تاکہ اپنے نظریات کو لوگوں کے اندر رائج کریں۔

(۳)ذرائع اشاعت:

سیکولر حضرات اپنے نظریات کی اشاعت کے لئے درج ذیل ذرائع استعمال کرتے ہیں۔

الف)میڈیاMedia

ان کا سب سے بڑا ذریعہ میڈیا ہے یہ میڈیا کو ہر جگہ ہر طریقے سے استعمال، وغیرہ TV ہو یا Youtube ہو Twitter ہو Facebook ہیں چاہے کرتے ہر جگہ انہوں نے قبضہ کیا ہوا ہے کسی کو بھی اس کے خلاف بات کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔

ب)پروپیگنڈاPropaganda

مذہب کے خلاف ہر طرح کا پروپیگنڈا کرنا مثال کے طور پر اسلام میں جو جہاد کا نظریہ ہے اس کے بارے میں اتنا پروپیگنڈا کیا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ دہشت گردی اور جہاد میں کوئی فرق نہیں، پھر اسی طرح پروپیگنڈا کر کے، عورتوں کو آزادی نسواں کا نعرہ لگا کر ان کے ذہنوں میں جھوٹ ڈال دیا۔

ج)جدیدیتModernism

یعنی جدیدیت کی طرف لوگوں کو لانا کہ مسجد میں جانا، نماز پڑھنا، زکوۃ دینا، روزہ رکھنا اور ایک دوسرے کا خیال کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب دقیانوسی ہے، جدید دور ہے جدید تقاضے میں ان کے مطابق ہمیں رہنا پڑے گا، اسلام یا کوئی بھی مذہب ایسا نہیں جو جدید تقاضوں کے مطابق چل سکے، اسکو کہتے ہیں جدیدیت جس کو آج ہم جدید بابیت "کا نام دے سکتے ہیں اور یہی بات صحیح ہے کیونکہ اسلام کے سوا سب نظریات و عملی اقدامات جاہلیت میں۔

د)بہتر قیادت سے منتظر کرنا

یہ ملک کے اندر اچھی اور اسلامی قیادت سے لوگوں کو متنفر کرنا یعنی کوئی اچھا شخص آجائے جو ملک کو اچھی طرح چلا سکتا ہو لیکن وہ سیکولر نہ ہو تو وہ لوگوں کے درمیان پروپیگنڈہ کریں گے میڈیا استعمال کریں گے اور لوگوں کو اس سے متنفر کریں گے یہاں تک کہ وہ اس کو مارنے سے بھی گریز نہیں کریں گے بطور نمونہ آپ اسلامی جمہوریہ پاکستان کو ہی دیکھ لیں، سات دہائیاں گزرنے کے باوجود کوئی سنجیدہ کامل اسلامی قیادت نہ آسکی۔

(جاری ہے)

لبرل ازم: ایک جائزہ

عائشہ کشف یٰسین

لبرل ازم کا تعارف

لفظ لبرل "قدیم روم کی Latin زبان کے لفظ ''لائبر'' یا ''لیبر'' یا پھر اس لفظ کے ایک مترادف "لانبراس'' سے نکلا ہے۔ جس کا مطلب ''جسمانی طور پر آزاد شخص'' ہے۔ یعنی ایسا انسان جو کسی کا غلام نہ ہو۔ یہ معنی اٹھارہویں صدی تک رہا اور ہر آزاد شخص کو لبرل کہا جاتا رہا۔

لبرل ازم کا فلسفیانہ آغاز

اٹھارہویں صدی میں اس کے معنی میں یہ تبدیلی آگئی کہ فکری طور پر آزاد شخص کو لبرل کہا جانے لگا یعنی ایسا شخص جو مذہب کی پابندیوں کو نہ مانے اور اپنی فکر میں آزادی کا دعوے دار ہو۔

ویکی پیڈیا میں ہے:

''آزاد خیالی liberalism اس سیاسی فلسفے کا نام ہے جو شخصی آزادی، جمہوری نظام حکومت اور آزادی تجارت کا پرچار کرے۔ آزاد خیالی کی تحریک اٹھارویں اور انیسویں صدی کی پیداوار ہے۔ جبکہ درمیانے طبقے کے لوگوں نے جاگیر داری اور مطلق العنانی کے خلاف جدوجہد کی۔ انقلاب امریکا، اور انقلاب فرانس، اسی کی پیداوار ہے۔ سب سے پہلے آزاد خیالی کا لفظ اہل سپین نے استعمال کیا۔ اور اسی طرح سب سے پہلے آزاد خیال سیاسی جماعت بھی وہیں منظم ہوئی۔ معاشی اعتبار سے آزاد خیالی سے مراد یہ ہے کہ آزاد تجارت ذاتی ملکیت اور بلا روک ٹوک درآمد اور برآمد کی اجازت۔''[48]

چودھویں صدی عیسوی میں اٹلی سے شروع ہونے والی تحریک احیائے علوم (Reformation) کے اثرات یورپ میں پھیلنے سے یہ اصطلاح منظر عام پر آئی۔ برطانوی فلسفی John Locke پہلا شخص ہے جس نے لبرل ازم کو باقاعدہ

---

[48] انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، 846:10

ایک فلسفہ اور طرز عمل کی شکل دی۔ جان لاک 1704-1620 نے اس مذہبی عقیدے سے بغاوت پر مشتمل اپنا خود ساختہ فلسفہ قائم کیا چنانچہ مذہبی عقائد پر شک وشبہ نے جنم لینا شروع کیا جو بالآخر مذہب کو دیوار سے لگانے پر اختتام پذیر ہوا۔

لبرل ازم کے تاریخی اسباب

لبرل ازم کی اصطلاح کو جاننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مغربی معاشرے کے اس ماحول اور ان حالات کا جائزہ لیا جائے جن کے باعث یورپ/مغرب میں لبرل ازم کی تحریک کا آغاز ہوا۔ ذیل میں ان چند اسباب کا تذکرہ کیا جارہا ہے:

1-طبقاتی تقسیم

عام طور پر زمانہ وسطی (Medieval Era) پانچویں صدی عیسویں سے لے کر گیارھویں صدی عیسوی تک خیال کیا جاتا ہے۔ اس دور کو "تاریک زمانہ" کا نام دیا ہے۔ اس زمانے کے یورپی معاشرے میں طبقاتی تقسیم، توہم پرستی ہ سزاؤں کا رواج اور جہالت عام تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ چرچ اور مذہب کی اجارہ ظالمانہ داری تھی۔

علاوہ ازیں یورپی معاشرہ میں دولت کی غیر مساوی تقسیم اور اختیارات کے ناجائز استعمال کی وجہ سے مختلف دیگر طبقات بھی وجود میں آئے:

دولت کی غیر مساوی تقسیم کی وجہ سے معاشرہ میں امیر و غریب کے درمیان بہت زیادہ فرق ہو گیا تھا۔ غریب لوگوں کا معاشرے میں کوئی قانونی مرتبہ نہیں تھا اور نہ ہی انہیں ان کے بنیادی حقوق میسر تھے۔

اس طبقاتی تقسیم کی وجہ سے مراعات یافتہ طبقہ کو عمداً اختیار کیا گیا تھا۔ اس کے پیچھے یہ حکمت کار فرما تھی کہ معاشرہ میں ہر طبقہ اپنا کام کرتا رہے یعنی دفاع کے ذمہ داران اپنی ذمہ داری نبھائیں ۔۔۔ عبادت والے صرف مذہبی معاملات تک رہیں ۔۔۔ کاشت اور تجارت کرنے والے اپنے کام سے کام رکھیں ۔۔۔ اور اس طرح ہر طبقہ اپنے کام پر مطمئن رہے۔

اس طبقاتی تقسیم نے محرومیوں کو جنم دیا اور عوامی محرومیوں کا رد عمل کئی صورتوں میں ظاہر ہوا۔ کسانوں نے بغاوتیں کیں۔ انفرادی طور پر محروم طبقہ کے لوگ ڈاکو بھی تھے لہذا ان ڈاکوؤں نے زمینداروں، جاگیر داروں اور امراء کے خلاف اپنی سرگرمیاں شروع کیں۔ اس طرح کرنے سے یہ عام لوگوں کے ہیرو بن گئے۔ حتی کہ خانہ بدوش طبقے ان کے گیت گاتے تھے۔

2-جاگیر داروں اور تاجروں کی باہمی چپقلش

لبرل ازم کی تحریک کے آغاز سے قبل یورپ کا ماحول یہ تھا یورپ نے اپنی جغرافیائی حدود کو بڑھانے کے لئے جنگوں کا ایک وسیع سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ جاگیر دار طبقہ نے اپنی جاگیروں میں اضافہ کے پیش نظر ان جنگوں پر بے حد سرمایہ کاری کی۔ جنگوں کے نتائج مختلف آنے کی صورت میں جاگیر دار طبقہ کمزور جبکہ تاجر امیر ہوتے گئے۔ نتیجاً معاشرے کا توازن بگڑا اور جاگیر داروں کے مقابلے میں تاجر، حکمرانوں کے پسندیدہ بن گئے جو ان جنگوں میں سرمایہ کاری بھی کرتے اور پیسہ ادھار بھی دیتے۔

3 مذہبی طبقہ کے باہمی اختلافات

لبرل ازم کی تحریک کے آغاز سے قبل مشرقی اور مغربی کلیساؤں کا نظریہ عقیدہ عمل اور اختیارات کے حوالے سے اختلاف رونما ہوا۔ مشرقی کلیسا کی The Holy orthodox Church اور مغربی کلیسا کی رومن کیتھولک چرچ کے نام سے تقسیم عمل میں آئی جس کی وجہ سے عوام کی مذہبی توجہات بھی تقسیم ہو گئیں۔ مذہب کے یہ علمبردار اپنے آپ کو اللہ کا نائب قرار دیتے ہوئے اپنے ہر حکم کے انکار کو اللہ کے حکم کا انکار قرار دیتے اور منکرین کو قتل کرنے کا حکم صادر کرتے۔ مزید یہ کہ وہ اپنے آپ کو علم و معرفت کا واحد منبع قرار دیتے۔ نتیجتاً عوام مذہب کے ان علمبرداروں کے باہمی اختلافات، مذہبی تنازعات اور ان کے شدت پر مبنی رویوں سے نکلنے کا راستہ تلاش کرنے لگے۔

4۔ مذہبی طبقہ کی علم دشمنی

لبرل ازم سے قبل مغرب میں مذہب کے علمبردار سائنس کو حرام سمجھتے تھے اور سائنسی تحقیقات کو نہ صرف رد کرتے بلکہ ایسے محققین کو سخت ظالمانہ سزاؤں سے نوازا جاتا تھا۔ مذہب کو جامد اور من مانی تعبیر پہنا کر انسانی ترقی کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ بعض وہ احکامات جو کتاب مقدس میں واضح طور پر موجود تھے اور ان کی حلت و حرمت بھی واضح تھی۔ اس میں بھی انہوں نے من پسند ترمیم کر ڈالی۔

اس وقت یہ صورت حال پیدا ہو چکی تھی کہ مذہب نے انسان کو جامد اور ناترقی پذیر قرار دے دیا تھا۔ جس کی بنیاد پر ہر قسم کی علمی و تمدنی ترقی بڑی حد تک رکی ہوئی تھی اور جن لوگوں نے علم و فن کی ترقی میں حصہ لیا، انہیں نہ صرف یہ کہ مذہب کی بارگاہ سے ملعون و مردود قرار دے دیا گیا بلکہ انہیں سخت سے سخت سزاؤں میں بھی مبتلا کیا گیا۔

مذکورہ اسباب اور پس منظر کے نتیجے میں آزاد خیالی (Liberalism) اور روشن خیالی (Enlightenment) کی ایک ایسی فکری تحریک اٹھی جسے مغربی فلاسفہ نے روایت پسندی اور مقلدانہ طرز فکر کے مقابل اختیار کیا آزاد خیالی کے متوازی چلنے والی درج ذیل دیگر تحریکات جو دراصل آزاد خیالی اور روشن خیالی ہی کے مختلف دھارے تھے، سب کے پیش نظر روایت، مذہب اور تقلید سے بیزاری اور بغاوت تھی:

1). نشاۃ ثانیہ Renaissance

2) تحریک اصلاح علوم (Reformation)

3) تحریک عقلیت پرستی (Ratioinalism)

4) تحریک جدیدیت (Moderanism)

5) سیکولرزم Secularism

ان سب تحریکات کا مقصد ایک ہی تھا کہ فرد کو آخرت کی فکر اور کامیابی کے بجائے دنیا اور دنیاوی مفادات کے لئے سعی و جدوجہد کرنا چاہئے۔

(جاری ہے)

کتاب خانۂ مانچسٹر یونیورسٹی میں فارسی مخطوطات

محمد اسامہ بن صالح

انگلستان کا مشہور تعلیمی ادارہ مانچسٹر یونیورسٹی 1924ء میں قائم ہوئی۔ اِس یونیورسٹی کے کتب خانے میں بہت سے عربی، فارسی اور ترکی مخطوطات محفوظ ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ مانچسٹر یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ فارسی مخطوطات کے تعارف میں مفید ثابت ہوگا۔

اِس مقالے میں دس منتخب مخطوطات کا تعارف شامل ہے۔

عجائب المخلوقات وغرائب المخلوقات:

یہ کتاب علامہ زکریا قزوینی کی تالیف ہے جو دراصل عربی زبان میں لکھی گئی۔ اِس کتاب کے فارسی، ترکی اور اردو تراجم بہت مشہور ہوئے۔ مانچسٹر یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود فارسی ترجمے کا مخطوطہ شاہ جہان ثانی کے پہلے سالِ جلوس میں ماہِ شعبان المعظم کے دوران ہندوستان پہنچا۔ بعد ازاں فیض آباد، لکھنؤ میں بیگمات اودھ کے خادم التفات علی خان نے ڈھائی سو روپے میں خریدا۔ عالمگیر ثانی کے عہد میں التفات علی خان نے مخطوطہ معزالدولہ بہادر شریف کے حوالے کر دیا۔ اس قلمی نسخے کی کتابت 12 ذوالحجہ 1041ھ کو اصفہان میں شمانامی کاتِب نے مکمل کی۔

بہارستانِ جامی (تیموری):

علامہ عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ کی بہارستان کا قیمتی مخطوطہ جو تیموری سلاطین کے کتب خانہ میں محفوظ تھا، اب مانچسٹر یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ یہ قلمی نسخہ صفوی ایران میں کتابت ہوا اور ہند کے تیموری حکمران سلطان نور الدین جہانگیر کے کتب خانے میں داخل ہوا۔ بعد ازاں شاہ جہان اول کے کتب خانے میں داخل ہوا اور پھر شاہ زادہ دارا شکوہ کے کتب خانے کا حصہ بنا۔ دارا شکوہ کے قتل کے بعد بہارستان کا یہ قلمی نسخہ عالمگیر اول معروف بہ اورنگ زیب عالم

گیر کے کتب خانے میں محفوظ رہا لیکن اورنگ زیب عالم گیر نے یہ قلمی نسخہ شاہ زادی روشن آراء کے حوالے کر دیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف تیموری امراء کے کتاب خانوں کا حصہ رہا۔

بہارستانِ جامی (عثمانی):

بہارستانِ جامی کا ایک اور مخطوطہ بھی کتاب خانۂ مانچسٹر یونیورسٹی میں موجود ہے جس کی کتابت ممکنہ طور پر استنبول میں کی گئی۔ غالباً وزیر فائق پاشا کے حکم پر یہ قلمی نسخہ تیار کیا گیا۔ فائق پاشا نے سلطان محمد فاتح اور سلطان بایزید خان ثانی کے عہد میں بحیثیت وزیر خدمات انجام دیں۔ 903ھ میں اِس مخطوطے کی کتابَت کی گئی۔

سلیم شاہ نامہ:

مشہور عثمانی مؤرخ ادریس بتلیسی نے ہشت بہشت کے عنوان سے عثمانی سلاطین کے حالات مرتب کیے۔ بتلیسی کی ایک اور کتاب سلیم شاہ نامہ کے نام سے مشہور ہے جو سلطان سلیم اول کے حالات پر مشتمل ہے۔ سلیم شاہ نامہ کی تکمیل بتلیسی کے فرزند ابو الفضل محمد آفندی نے کی سلطان سلیم ثانی کی خدمت میں پیش کیا۔ اِس مخطوطے میں شیخ الاسلام قاضی ابو سعود آفندی کے دستخط بھی موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ عثمانی سلاطین کے کتب خانے میں موجود تھا۔

دیوانِ شاہی:

مشہور ایرانی شاعر امیر شاہی سبزواری کے کلام کا مجموعہ جس کی کتابَت مشہور خطاط خلیل اللہ نے کی۔ اس مخطوطے کی کتابت صفوی امیر مرشد قلی خان استاجلو قزلباش کی فرمائش پر کی گئی۔ ماہ شعبان المعظم 988ھ میں کتابَت کی گئی۔

تذکرۂ دولت شاہی:

دولت شاہ سمرقندی کی مشہور کتاب تذکرۃ الشعراء جسے تذکرۂ دولت شاہی کے عنوان سے بھی جانا جاتا ہے، تقریبا 150 شعراء کے احوال پر مشتمل ہے۔ مانچسٹر یونیورسٹی کے کتب خانے میں موجود مخطوطہ 13 رجب المرجب 1162ھ کو محمد امان نامی کاتب نے شیخ نظام الدین احمد بلگرامی کے لئے تیار کیا۔

مثنوی معنوی:

علامہ جلال الدین رومی کی مثنوی کا یہ قلمی نسخہ مشہور ایرانی کاتب محمد شفیع قزوینی نے تحریر کیا جو میر عماد کے شاگرد اور صفوی حکمران عباس ثانی کے کتب خانے کا نگران بھی رہا۔ مثنوی کا یہ مخطوطہ 22 شوال 1105ھ کو کتابت کیا گیا۔

لباب اللباب:

سدید الدین محمد عوفی کی کتاب لباب اللباب کا قلمی نسخہ لیکن سنِ کتابت معلوم نہیں۔ سدید الدین نے ناصر الدین قباچہ کی فرمائش پر لباب اللباب مرتب کی۔

خلاصۃ الکلام:

نواب امین الدولہ عزیز الملک علی ابراہیم خان کی خلاصۃ الکلام کا قدیم ترین نسخہ جس کی کتابت کی تاریخ معلوم نہیں لیکن غالباً نواب امین الدولہ کے زمانے کا ہی نسخہ ہے جس کی تکمیل ایک اندازے کے مطابق 1198ھ میں ہوئی۔

نگارستان:

شیخ الاسلام ابن کمال پاشا کی مرتب کردہ نگارستان کا یہ قلمی نسخہ استنبول میں کتابت کیا گیا۔ اس قلمی نسخے پر خلیفۃ المسلمین سلیم خان ثانی کی مہر بھی موجود ہے